فقیہ العصر فخر المحدثین قطب الارشاد امام ربانی

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

و دیگر اکابر عظام کا

من گھڑت روایات پر تعاقب

65 روایات و حکایات کا مجموعہ جسے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ و دیگر اکابر عظام رحمہم اللہ تعالی
نے من گھڑت، بے اصل، مطروح قرار دیا ہے اور ان سے بچنا ضروری ہے
اس کے باوجود یہ روایات لوگوں کی زبانوں پر عام طور پر موجود ہیں

تالیف

مفتی طارق امیر خان صاحب

متخصص فی الحدیث جامعہ فاروقیہ کراچی

مکتبہ عمر فاروق

فقیہ العصر، فخر المحدثین، قطب الارشاد، امام ربانی

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

و دیگر اکابر عظام کا

من گھڑت روایات پر تعاقب

65 روایات و حکایات کا مجموعہ جسے حضرت گنگوہی و دیگر اکابر عظام رحمہم اللہ تعالیٰ
نے من گھڑت، بے اصل، مطروح قرار دیا ہے اور ان سے بچنا ضروری ہے
اس کے باوجود یہ روایات لوگوں کی زبانوں پر عام طور پر موجود ہیں

تالیف
مفتی طارق امیر خان صاحب
متخصص فی الحدیث جامعہ فاروقیہ کراچی

مکتبہ عمر فاروق

جملۂ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ و دیگر اکابر عظام کا

من گھڑت روایات پر تعاقب

تالیف .... مفتی طارق امیر خان صاحب

اشاعت اوّل .... سنہ ۲۰۲۱ء

تعداد ۱۱۰۰

قارئین کی خدمت میں

کتاب ہذا کی تیاری میں صحیح کتابت کا خاص اہتمام کیا گیا ہے تاہم اگر پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو التماس ہے کہ ضرور مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں ان اغلاط کا تدارک کیا جا سکے۔ جزاکم اللہ

ناشر

مکتبہ عمر فاروق

4/491 شاہ فیصل کالونی کراچی

Tel:021-34604566 Cell: 0334-3432345

maktabaumarfarooq@gmail.com

ملنے کے پتے

- مکتبہ معارف القرآن: احاطہ دارالعلوم کورنگی کراچی۔ 021-35031565
- سعدی اسلامی کتب خانہ: گلشن اقبال نمبر کراچی۔ 0333-2305791
- مکتبہ لدھیانوی: علامہ بنوری ٹاؤن کراچی۔ 021-34130020
- مکتبہ رشیدیہ: سرکی روڈ کوئٹہ۔ 081-2662263
- مکتبہ اسلامیہ: امین پورہ بازار فیصل آباد۔ 041-2631204
- مکتبہ سید احمد شہید: اردو بازار لاہور۔
- مکتبہ بیت العلم: محلہ جنگی قصہ خوانی بازار پشاور
- مکتبہ دارالاشاعت: ایم اے جناح روڈ اردو بازار کراچی 021-32631834
- اسلامی کتب خانہ: علامہ بنوری ٹاؤن کراچی۔ 021-34927159
- مکتبہ فاروق اعظم: محلہ جنگی قصہ خوانی بازار پشاور۔
- کتب خانہ رشیدیہ: راجہ بازار راولپنڈی۔
- مکتبہ رحمانیہ: اردو بازار لاہور۔ 042-37224228
- مکتبہ علمیہ: جی ٹی روڈ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ۔ 092-3630594
- مدرسہ فاروقیہ: یوسف کالونی ڈی جی خان پنجاب

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

ودیگر اکابر عظام کا

من گھڑت روایات پر تعاقب

فقیہ العصر، فخر المحدثین، قطب الارشاد،

امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

و دیگر اکابر عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کا

من گھڑت روایات پر تعاقب

۶۵ روایات و حکایات کا مجموعہ جسے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ و دیگر اکابر عظام رحمہم اللہ تعالیٰ نے من گھڑت، بے اصل، مطروح قرار دیا ہے، اور ان سے بچنا ضروری ہے، اس کے باوجود یہ روایات لوگوں کی زبانوں پر عام طور پر موجود ہیں

⑰ روایت: ''شِمر قاتلِ امام حسین رضی اللہ عنہ بڑا حافظ قرآن تھا۔۔۔''، یہ ڈھکوسلا جہال واعظین کا ہے	۵۷
⑱ روایت: ''غدیر کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ''من كنت مولاه فعلي مولاه'' پر ایک منافق کی ناگواری اور آسمان سے اس پر پتھر کا برسنا''، پتھر گرنے کا قصہ واہی موضوع ہے	۵۸
⑲ روایت: ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا امامِ ثالث (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) کو نَعثَل [بے وقوف بڈھا] کہتی تھیں اور لعنت کرتی تھیں''، معاذ اللہ یہ روافض کا محض طوفانِ بہتان ہے، اہلِ سنت کی کسی کتاب میں یہ بات نہیں	۶۶
⑳ روایت: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اجازت کے بغیر کوئی صراط پر سے نہ گزرے گا، نیز قبر میں سب سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کا سوال کیا جائے گا''، یہ روافض کی روایات ہیں	۶۹
㉑ روایت: ''حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غصہ اور ناگواری کی شکایت فرمانا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سے یہ فرمانا کہ اگر علی رضی اللہ عنہ نے تمہیں اس غصہ کی حالت میں طلاق دیدی، تو مشکل پڑ جائے گی''، یہ کھلا جھوٹ اور ناپاک الزام ہے	۷۲
㉒ روایت: ''حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اپنے جنازہ کو صندوق میں رکھنے کو فرمانا، اور قبر میں دفن کرنے سے منع کرنا، اور یہ فرمانا کہ اونٹنی پر رکھ دیجیو جہاں چاہے لے جائے گی''، یہ قصہ غلط ہے، بعد انتقال دفن ہوئے	۷۳
㉓ روایت: ''حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کا اپنی خوش خط آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو، پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ کو، بالآخر اللہ کو دکھانا [معاذ اللہ]''، یہ محض افتراء اور کذب محض ہے، کہیں اس کی اصل نہیں، اس کا واعظ فاسق ہے اس کا وعظ سننا حرام ہے	۷۴

۴۹روایت:"لایسعني سمائي ولا أرضي، ولكن يسعني قلب عبدي المؤمن. میرے آسمان اور زمین مجھے نہیں سما سکے، البتہ میرے مومن بندہ کا دل مجھے اپنے میں سمالیتا ہے"، ان الفاظ سے اس حدیث کی کچھ اصل نہیں ہے، البتہ اس کے ہم معنی ایک دوسری حدیث ثابت ہے	۱۳۶
۵۰روایت:"أوتيت علم الأولين والآخرين. مجھے اولین وآخرین کا علم ملا ہے"، یہ حدیث کسی کتاب حدیث میں نظر سے نہیں گزری	۱۳۸
۵۱روایت:"لاصلوة إلا بحضور القلب. دل کی توجہ کے بغیر کوئی نماز نہیں"، ان الفاظ کے ساتھ کتبِ احادیث میں کوئی حدیث نہیں	۱۳۹
ایک دوسرے انداز سے	۱۳۹
۵۲روایت: "من عرف نفسه فقد عرف ربه. جس نے اپنے آپ کو پہچانا اس نے اپنے پروردگار کو پہچان لیا"، یہ حدیث نہیں ہے، کسی بزرگ کا قول ہے	۱۴۱
۵۳روایت: "لاتجعلوا بطونكم مقابر الحيوانات. اپنے پیٹ کو جانوروں کی قبر نہ بناؤ"، یہ کوئی حدیث نہیں ہے	۱۴۲
۵۴روایت:"من جدد قبرا أو تمثالا فقد خرج عن الإسلام". جس نے کسی قبر یا مجسمہ / تصویر کی تجدید کی وہ اسلام سے نکل گیا"، یہ من گھڑت ہے	۱۴۳
۵۵روایت: ❶ "جو شخص تین حج کرلیتا ہے، خدا تعالیٰ آگ کو دنیا وآخرت میں اس پر حرام کردیتا ہے۔ ❷ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے تین حج کرلیتا ہے، خدا تعالیٰ کراماً کاتبین کو حکم دے دیتا ہے کہ اس کے نامۂ اعمال لکھنا بند کردو"، بظاہر ان کی کچھ اصل نہیں ہے	۱۴۴

۱۴۶	۵۶ روایت: "نیک عالم کا قبرستان سے گزر ہو جائے تو چالیس روز تک قبر سے عذاب اٹھالیا جاتا ہے"، یہ روایت صحیح نہیں
۱۴۷	۵۷ روایت: "جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے کو ذبح کر چکے تو چھری اوپر پھینک دی، تب پروردگار کا حکم ہوا کہ جو اس چھری کے نیچے گردن جھکادے گا وہ حلال ہے، چنانچہ ٹڈی اور مچھلی نے گردن چھری کے نیچے جھکادی، وہ حلال ہوگئی"، یہ معتبر روایت نہیں ہے
۱۴۸	۵۸ روایت: "۲۳ رمضان کی تراویح کے بعد سورۂ عنکبوت اور سورۂ روم سننے سنانے والوں کا جنتی ہونا"، اس مخصوص طریقہ اور مخصوص ثواب کا احادیث صحیحہ سے کوئی ثبوت نہیں ہے
۱۴۹	۵۹ روایت: مصلے کے ایک کنارے کو موڑ دینا بے اصل ہے
۱۵۰	**ارشادات حضرت مولانا مفتی ظفر احمد عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ**
۱۵۰	فضائل اعمال میں ضعیف حدیث قبول ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اس میں ثواب سمجھے بغیر عمل کرلے، بشرطیکہ ضعف شدید نہ ہو اور وہ عمل کسی اصل شرعی کے تحت میں داخل ہو
۱۵۲	۶۰ روایت: "إذا تحيرتم في الأمور فاستعينوا بأهل القبور". جب تم کاموں میں پریشان ہو جاؤ تو قبر والوں سے مدد مانگ لیا کرو"، یہ حدیث من گھڑت ہے
۱۵۳	۶۱ روایت: "جس نے سورۂ عنکبوت اور سورۂ روم تئیس رمضان کی رات کو پڑھی تو جنت والوں میں سے ہوگا"، اغلب یہ ہے کہ یہ روایت من گھڑت ہے
۱۵۵	۶۲ روایت: "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدم علیہ السلام نے بحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم، علی رضی اللہ عنہ، فاطمہ رضی اللہ عنہا، حسن رضی اللہ عنہ، اللہ سے سوال کیا تھا"، یہ روایت من گھڑت ہے

مقدمہ

«الحمد لله محق الحق ومبطل الباطل، ومعلي الصدق ومنزل الكذب إلى أسفل سافل، والصلاة والسلام على سيدنا محمد ذي القول الفاصل والحكم الفاضل، وعلى آله وصحبه النجباء الأماثل، أما بعد»!

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کتاب ''حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا من گھڑت روایات پر تعاقب'' کی طباعت کے زمانے ہی میں بندہ اسی موضوع کو جاری رکھتے ہوئے حضرت فقیہ العصر، فخر المحدثین، قطب الارشاد، امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فرامین مبارکہ کو جمع کرتا رہا، جسے اس مجموعہ میں باب اول کے تحت مرتب کر دیا ہے، اس کے بعد بعض دیگر اکابر عظام یعنی مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا مفتی ظفر احمد عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات کو ضمناً بابِ ثانی کے عنوان سے اسی مجموعہ کے آخر میں شامل کر دیا ہے۔

تالیف کا اسلوب

① - پہلے باب میں موجود حضرت گنگوہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات دو فصلوں میں تقسیم کئے گئے ہیں:

پہلی فصل حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ان ارشادات پر مبنی ہے جن میں من گھڑت روایات کی مذمت کی گئی ہے۔

دوسری فصل میں وہ روایات و حکایات ہیں، جنہیں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے من گھڑت، باطل، جھوٹ، غلط، بے سند، بے اصل، واہی قرار دیا ہے۔

دوسرے باب میں سابقہ اکابر عظام کے ارشادات کو بلا فصول جمع کیا ہے، اس باب میں بعض روایات مکرر بھی ہیں، لیکن ان میں موجود مستقل فائدہ کی وجہ سے ان کو مکرر ذکر کر دیا ہے۔

واضح رہے کہ ہمارے قول "روایت" سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم، نیز حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم وبزرگانِ دین کی جانب منسوب اقوال و واقعات ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و واقعات میں معنوی روایات بھی شامل ہیں، یعنی ایسی روایات جن میں صاف لفظوں میں یہ نہ کہا گیا ہو کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"، لیکن مضمون ایسا ہے کہ جو صاحبِ شریعت صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے معلوم ہو سکتا ہو۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ و دیگر ذکر کردہ اکابر عظام رحمہم اللہ تعالیٰ روایات کو ساقط قرار دیتے ہوئے، اپنے قول کی تائید میں بسا اوقات ائمہ سابقین کا حوالہ دیتے ہیں، بعض اوقات کسی کا حوالہ نہیں ہوتا، بندہ نے حاشیہ میں ان ذکر کردہ ائمہ کے علاوہ دیگر علماء سابقین کے اقوال بھی لکھ دیئے ہیں، البتہ نقل اقوال میں استیعاب نہیں کیا، بلکہ صرف معتد بہ اور قوی تر اقوال پر اکتفاء کیا ہے، جہاں ضروری سمجھا وہاں ان ائمہ کی عبارتیں بھی نقل کر دیں۔

ایک اہم تنبیہ یہ بھی ہے کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ و دیگر ذکر کردہ اکابر عظام رحمہم اللہ تعالیٰ نے بعض مقامات پر لکھا ہے کہ "یہ روایت نہیں ملتی"، یا اس

جیسے الفاظ ذکر فرمائے ہیں، بندہ نے بھی اپنے التزام کے مطابق ان روایات کو تلاش کیا ہے، لیکن میں اکثر ان پر مطلع نہیں ہو سکا ہوں، ان روایات میں حدیثِ رسول میں احتیاط، واصول فن ہذا کا تقاضہ یہی ہے کہ ان روایات کو ''معتمد سند'' ملنے تک ہر گز انتساب بالرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت سے بیان نہ کریں۔

واضح رہے کہ دونوں ابواب کے عنوانات میں نقل روایت کے بعد متصل حکم حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ و دیگر اکابر عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال ہی سے ماخوذ ہوتا ہے، اور ان تمام روایات و حکایات سے جن کی مجموعی تعداد (۶۵) ہے ذکر کردہ حکم کے مطابق بچنا ضروری ہے، البتہ جہاں کہیں کچھ زائد معتبر مواد ضمناً آگیا ہے، اس کے قابلِ بیان ہونے کی صراحت لفظاً منہجاً کی جاتی رہی ہے، قارئین کرام خلط مبحث سے چوکنا رہیں۔

❷ - بعض اوقات ایک روایت حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ و دیگر ذکر کردہ اکابر عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کی تصنیفات میں متعدد مقامات میں ملتی ہے، اگر ایسی مکرر روایت کسی بھی زائد فائدے پر مشتمل ہو تو اسے التزاماً دوبارہ ذیلی عنوان سے لکھا گیا ہے: ''ایک دوسرے انداز سے'' یا ''ایک نئے اسلوب سے''۔

❸ - عنوانات کے علاوہ تمام تر عبارتیں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ و دیگر ذکر کردہ اکابر عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کی ہیں، البتہ جہاں کہیں بندہ نے کلام کیا ہے تو امتیاز کے لئے بڑے بریکٹ ''[ ]'' کی علامت استعمال کی ہے، تاہم حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارات میں بعض مقامات پر یہ بڑا بریکٹ ''[ ]'' حضرت مولانا نور الحسن کاندھلوی نیز محشی تالیفات رشیدیہ کا ہے۔

❹ - بڑے بریکٹ ''[ ]'' میں حسبِ ضرورت تسہیل، قائل کی تعیین اور بعض مفید فوائد بھی لکھے گئے ہیں۔

⑤ - اس کا اہتمام کیا گیا ہے کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ و دیگر ذکر کردہ اکابر عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کی عبارتوں میں کسی قسم کی تبدیلی نہ کی جائے، یہ عبارتیں قدیم طرز پر ہیں، اس لئے اگر کہیں اس کا احتمال ہوا کہ قاری اس عبارت کو ناقل کی غلطی سمجھے گا، وہاں "كذا في الأصل" یعنی اصل میں اسی طرح ہے، لکھ کر اس وہم کا ازالہ کیا گیا ہے۔

⑥ - بعض مقامات کی عبارات ان کتابوں میں موجود سوال و جواب کے انداز پر ہی باقی رکھی گئی ہیں، تاکہ مکمل فائدہ حاصل ہوسکے۔

⑦ - حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ و دیگر ذکر کردہ اکابر عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کی عبارتوں سے اقتباسات لیتے ہوئے اس کو ملحوظ رکھا ہے کہ صرف اس قدر اقتباس لیا جائے جو عنوان اور اس سے متعلق زائد فائدے پر مشتمل ہو، اس کے علاوہ عبارت کو حذف کیا گیا ہے، اور اس حذف کے لئے عبارت کے آخر میں "۔۔۔" کی علامت استعمال کی گئی ہے، البتہ بعض مقامات پر مجموعی عبارت کے درمیان میں حذف کے لئے "...." کی علامت استعمال کی گئی ہے۔

⑧ - حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ و دیگر ذکر کردہ اکابر عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کی عبارتوں پر عنوانات قائم کئے گئے ہیں، اکثر یہ عنوانات انہیں حضرات کی عبارات سے اخذ کئے گئے ہیں۔

⑨ - عربی عبارتوں کا ترجمہ صرف حسبِ ضرورت کیا گیا ہے۔

⑩ - آخر میں بندہ ان تمام محسنین کا شکر گذار ہے جنہوں نے اس تالیف میں تعاون کیا ہے، خصوصاً مولوی سیف اللہ صاحب اور مفتی محمد سلیم

صاحب کا ممنون ہوں کہ یہ مجموعہ درحقیقت انہی کے توسط سے انجام تک پہنچا ہے، اللہ تعالیٰ انہیں اپنی شایان شان اجر عطاء فرمائیں، آمین۔

طارق امیر خان

متخصص فی علوم الحدیث جامعہ فاروقیہ کراچی

پہلا باب: ارشادات حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

فصل اول

بزرگوں کی حکایات اکثر جہلاء نے غلط بنادی ہیں

"**سوال:** یہ قصے مشہور ہیں کہ جس وقت حضرت بڑے پیر صاحب کو قبر میں دفن کیا، اور نکیرین آئے تو بڑے پیر صاحب نے نکیرین کا ہاتھ پکڑ لیا اور بجائے جواب دینے کے سوال کرنا شروع کئے، اور نکیرین کو اس کا جواب دینا غیر ممکن تھا، بمجبوری نکیرین نے جنابِ باری میں جاکر عرض کیا کہ الٰہی یہ کیا ماجرا ہے؟ جنابِ باری نے ارشاد فرمایا کہ بے شک تم اس کا جواب نہ دے سکو گے اور تمہارے واسطے خوب ہوا جو اس نے تمہیں چھوڑ دیا۔

اور دوسرا قصہ یہ مشہور ہے کہ ایک عورت بڑے پیر صاحب کی خدمت میں گئی، اور عرض کیا کہ میرے لڑکا نہیں ہوتا، بڑے پیر صاحب نے فرمایا کہ جا تیرے سات بیٹے ہوں گے، چنانچہ اس کے سات بیٹے ہوئے، حالانکہ اس کی تقدیر میں ایک لڑکا بھی نہیں تھا۔

اور تیسرا قصہ یہ مشہور ہے کہ ہر ماہِ نو [نیا مہینہ] قبل رؤیت [دکھائی دینے] کے، بڑے پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتا اور یہ کہتا کہ مجھ میں اب کے اس قدر خدا صاحب نے نقصان رکھے ہیں، اور اس قدر نفع رکھے ہیں۔

اور چوتھا قصہ یہ مشہور ہے کہ ایک روز آپ ممبر پر بیٹھ کر وعظ فرماتے

تھے، یکایک کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ سب اولیاء کی گردن پر میرا قدم ہے، اور اس وقت جس قدر اولیاء جمع تھے سب نے پائے مبارک بڑے پیر صاحب کے اپنی گردن پر رکھ لئے اور حلقۂ اطاعت درگوش کیا، اور ایک ولی نے اس بات کا یقین نہیں کیا اور کچھ اس پر اعتراض کیا ان کا حال تباہ و برباد ہو گیا۔

اب استفسار طلب یہ امر ہے کہ آپ کے نزدیک یہ قصے صحیح ہیں یا غلط؟ اور جو علماء ایسے قصوں کو صحیح بتاتے ہیں ان کی کیا دلیل ہے؟ اور جو علماء ان کو خلاف بتاتے ہیں ان کی کیا حجت ہے؟ اور حضرت مَخْدُوْمُنَا ہَادِیْنَا حاجی محمد امداد اللہ صاحب مہاجر سلمہ اللہ تعالیٰ جو ''ضیاء القلوب'' صفحہ :۱۹، قربِ نوافل میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''اما قرب نوافل انیست کہ صفات بشریہ سالک ازوے زائل گردد، وصفات حق تعالیٰ بروے ظاہر آیند، چنانچہ زندہ گرداند مردہ راو بمیراند زندہ را باذن اللہ تعالیٰ'' [لیکن نوافل کا قرب یہ ہے کہ صفاتِ بشریہ سالک کے اس سے زائل ہو جائیں، اور حق تعالیٰ کی صفات اس میں ظاہر ہوں، چنانچہ مردہ کو زندہ کر دے اور زندہ کو مردہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے]۔

اور قربِ فرائض ایسی ہی زیادہ نعمت ہے، اللہ صاحب جسے نصیب فرمائیں، اور حضرت محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ''اخبار الاخبار'' میں فرماتے ہیں کہ عارف کی پہچان یہ ہے کہ وہ جو کچھ کہے ہو جاوے۔

اب سائل یہ عرض کرتا ہے کہ ممکن نہیں، بندہ خدا صاحب کے کسی کام میں دخل دے سکے، بندہ چاہے کسی مرتبہ میں ہو بندہ ہے ہر وقت عاجز ہے، مگر یہ مرتبہ، قربِ نوافل کا اور عارف کا، حضرت بڑے پیر صاحب کو حاصل ہو گیا تھا یا

نہیں؟ اور جس شخص کو یہ مراتب حاصل ہوگئے ہوں اس سے ایسے قصوں کا وقوع ہو جانا کیوں غیر ممکن ہے؟ اور خدا صاحب تقدیر کے خلاف کرنے پر بھی قادر ہے یا نہیں؟ اور کبھی کبھی بندہ پر خدا صاحب بباعث کسی عتاب یا انعام اپنے کے، اس کی تقدیر کے خلاف کر دیتے ہیں یا نہیں؟ یا خدا صاحب کسی بندہ کے حق میں کسی بندۂ خاص کی سفارش مان کر یا اس کے اعمال کی وجہ سے اس کی تقدیر کے خلاف کر دیتے ہیں یا نہیں؟ مثلاً نیک آدمی کی عمر دراز ہونا یا ظالم کی عمر کم ہونا، یا بباعث سئیات مفلسی آجانا یا بباعث خیرات بلاؤں کا رد ہو جانا وغیرہ وغیرہ۔

اور حضرت صابر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اکثر قصے مشہور ہیں کہ جس کو انہوں نے فرمایا کہ تو اندھا ہے تو وہ فوراً اندھا ہو جاتا، اور جس کو فرمادیا کہ کیا تو مر گیا تو وہ فوراً مردہ ہی ہو گیا، غرض یہ ہے کہ جو کچھ وہ فرماتے تھے فضلِ الٰہی سے اس کا اسی طرح فوراً ظہور ہو جاتا تھا، تو یہ قصے بھی صحیح ہیں یا خلاف، اور وہ فرشتے کہ جن کو نکیرین کہتے ہیں ان کا مرتبہ زیادہ ہے یا اولیائے عظام امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا؟

جواب: بزرگوں کی حکایات اکثر جہلاء نے غلط بنادی ہیں، اور اگر کوئی واقعہ صحیح ایسا ہو کہ مفہوم نہ ہووے [سمجھ نہ آئے] تو شَطَحِیَّات [بے اختیار کلمات جو اللہ والوں کی زبان سے ادا ہو جائیں] کہلاتے ہیں [۱]، جس کے معنی فہم میں کسی کے نہیں آتے، اس

---

[۱] حافظ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی "ذیل طبقات الحنابلہ" (۲/۱۹۷) میں حکایت "سب اولیاء کی گردن پر میرا قدم ہے" کو شَطَحِیَّات قرار دیا ہے، عبارت ملاحظہ ہو:

«فأما الحكاية المعروفة عن الشيخ عبد القادر أنه قال: قدمي هذه على رقبة كل ولي لله، فقد ساقها هذا المصنف عنه من طرق متعددة.

وأحسن ما قيل في هذا الكلام ما ذكره الشيخ أبو حفص السُهْرَوَرْدِي في عوارفه:

کو نہ قبول کرے نہ رد کرے سکوت کرے، اور جو امور خلافِ قاعدہ شرع کے ہیں ان کو رد کرنا چاہیئے یا سکوت کرے اگر مصلحت ہو، اور قربِ فرائض قربِ نوافل کا فہم اس کے اہل کا رتبہ ہے، بندہ اس سے عاری ہے، باقی یہ ہے کہ حق تعالیٰ اولیاء کی قبولیت کے واسطے اکثر دعا ان کی قبول کرتا ہے یہ ان کی کرامت ہے، مردہ زندہ کرنا خود خرقِ عادت و کرامت ہے، حق تعالیٰ ہی کرتا ہے، مگر بظاہر کسی ولی نبی کا ذریعہ ہو جاتا ہے، لہٰذا کرامت و معجزہ کہلاتا ہے، فقط"[1]۔

فاسد و بے اصل روایات کا کہنے سننے والا گنہگار ہے، ایسی محفل پر بلاشبہ حرمت کا حکم ہوگا اور اس میں شریک ہونا حرام ہے

"۔۔۔اول: مولود خواں جُہّال اور مؤلف اس کے، ایسی ایسی روایاتِ فاسدہ بیان کرتے ہیں کہ کہیں ان کی اصل نہیں پائی جاتی، اور قواعدِ شرع کے خلاف ہیں اور موضوعات اور مفتریات روایات کو بیان کرکے، جہلاء کو خراب کرتے ہیں، جس کے بسط[تفصیل] میں طول ہے، حدیث شریف میں آیا ہے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص مجھ پر جھوٹ باندھے، اپنا ٹھکانا دوزخ میں کرلے، پس سامع اور قاری جملہ گنہگار ہیں، تو ایسی محفل پر لاریب [بلاشبہ] حکم

أنه من شطحات الشيخ التي لا يقتدى بهم فيها، ولا يقدح في مقاماتهم ومنازلهم، فكل أحد يؤخذ عليه من كلامه ويترك إلا المعصوم صلى الله عليه وسلم».

نیز عورت کو بچے دلوانے والی حکایت اور منکر نکیر سے سوالات کے قصہ کو حضرت فقیہ العصر گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اسی مقام پر موجود سابقہ سوال میں بے اصل قرار دے چکے ہیں۔

[1] تالیفات رشیدیہ: بڑے پیر کی کرامات، ص:۱۰۶، ادارہ اسلامیات لاہور۔

حرمت کا ہو گا اور اس میں شریک ہونا حرام کہا جائے گا۔۔۔" [۱]

احادیث غیر معتبر و موضوعہ سے ثواب و عقاب کا ثبوت نہیں ہوتا

"۔۔۔الغرض قیام ذکرِ ولادت، بایں وجہ ہے کہ ان لوگوں کو کوئی حدیثِ موضوع، درباب ثوابِ قیامِ مذکور ملی ہو، یا کسی بزرگ کا قول یا فعل ان کو معلوم ہو کہ اس کے موافق ثواب جان کر قیام کرتے ہیں، اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ احادیثِ غیر معتبر و موضوعہ سے ثواب و عقاب کا ثبوت نہیں ہوتا، اور قول و فعل بزرگوں سے بھی جواز واستحباب ثابت نہیں ہوتا، جب تک کہ کوئی دلیلِ شرعی موجود نہ ہو، پس باوجود امورِ مذکورہ (کے)، ہرگز یہ فعل موجبِ ثواب و مستحسن نہیں ہو سکتا، بلکہ بدعت ہی رہے گا۔۔۔" [۲]

---

[۱] باقیات فتاویٰ رشیدیہ: مجلس میلاد کی حرمت و کراہت کی وجہ؟ ص:۷۵، دار الکتاب لاہور۔

[۲] باقیات فتاویٰ رشیدیہ: ذکر ولادت کے وقت قیام کے بدعت ہونے کی مفصل بحث، ص:۸۱، دار الکتاب لاہور۔

علامہ لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے "الآثار المرفوعہ" (ص:۴۶) میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے تذکرہ کے وقت کھڑے ہونے کو بے دلیل کہا ہے، ملاحظہ ہو:

«ومنها ما يذكرونه من أن النبي يحضر بنفسه في مجالس وعظ مولده عند ذكر مولده، وبنوا عليه القيام عند ذكر المولد تعظيما وإكراما.

وهذا أيضا من الأباطيل لم يثبت ذلك بدليل، ومجرد الاحتمال والإمكان خارج عن حد البيان، وأمثال هذه القصص التي ذكرناها كثيرة تذكرها وعاظ الفضل المحمدي والمولد الأحمدي مع اختلاقها وعدم ثبوتها، ظنا منهم أن في ذكر جلالة القدر المحمدي ثوابا عظيما، وفضلا جسيما، غافلين عما يترتب من الإثم العظيم على من كذب على النبي عليه الصلاة والتسليم في قول أو فعل أو وصف جمالي أو

ہزار حدیث بد دینوں نے، اپنے فسق کے رواج دینے کو بنائی ہیں

"۔۔۔ اوپر لکھ چکا ہوں کہ ہزار حدیث بد دینوں نے، اپنے فسق کے رواج دینے کو بنائی ہیں، سو اگر مُجِیب صاحب یا کوئی اور طرف دارِ مُجیب، اس حدیث کو جو، اُوزُجَنْدِی سے نسبت کرتے ہیں، ثابت کریں، تو حسبِ قاعدۂ اصولِ حدیث ثابت کریں، ورنہ خاکِ مذلت [ذلت] اپنے سر پر ڈال کر، مصداق اس حدیث صحیح کے ہوں:

«من كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار». ترجمہ: جو مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں کر لے۔۔۔"[۱]۔

حدیث میں ضعف اگر بسببِ فسق اور کذبِ راوی کے، یا بسبب اتہامِ وضع کے ہو، تو اس پر فضائل اعمال میں بھی عمل کرنا جائز نہیں ہے

"مولوی نظیر حسن صاحب سلمہ، السلام علیکم!

آپ کا خط آیا، چونکہ بندہ کو فرصت ہر گز نہیں ہوتی، جمعہ کو بھی ایک سبق ہے، لہذا جواب بد شواری لکھا جاتا ہے، چونکہ آپ نے بتاکید لکھا تھا، لہذا چند کلمہ پر قناعت کرتا ہوں کہ سب مسائل اس سے مستنبط ہو جائیں گے۔

حدیث، ضعیف اگر سببِ سوءِ حفظِ راوی کے، یا مرسل ہونے کے، یا تدلیس

كمالي كما دلت عليه الاخبار الصريحة والآثار الصحيحة».

[۱] باقیات فتاویٰ رشیدیہ: رسوم سوم وچہلم وغیرہ کے متعلق ایک بدعتی عالم کے فتوے کا مفصل جواب، ص: ۱۰۱، دار الکتاب لاہور۔

ہونے کے ہے، مگر راوی عادل ثقہ ہے تو اس پر عمل کرنا درست ہے، اگرچہ اثباتِ حکم اس سے نہیں ہو سکتا، جب تک جَبُر [تلافی] اس ضعف کا نہ ہو جائے، اور جو بسببِ فسق اور کذبِ راوی کے، یا بسببِ اتہامِ وضع کے ہو، تو اس پر فضائلِ اعمال [میں] بھی عمل کرنا، ناجائز ہے۔

شدید الضعف، یہ قسم آخر ہے، اور پہلی قسم میں ضعف ادنیٰ ہے، یہ مسئلہ ''نخبہ'' وغیرہ کتبِ اصولِ حدیث میں مذکور ہے، پس جو احادیث کہ اہلِ بدعت نے وضع کی ہیں، وہ موضوعات میں ہیں کہ ہر گز ان پر عمل روا نہیں، فقط''[1]۔

[1] باقیات فتاویٰ رشیدیہ: حدیث ضعیف پر فضائل اعمال میں عمل کا درجہ اور ان سے بعض بدعات پر استدلال کا حکم؟ ص:۵۳۵، دار الکتاب لاہور۔

دوسری فصل

"حضرت غوث اعظم قدس سرہ کا ایک روح کی واپسی کے لئے ملک الموت سے زبردستی تمام روحوں کی زنبیل چھیننا،

لوحِ محفوظ میں ایک عورت کی اولاد کے نہ ہونے کے فیصلہ کے باوجود حضرت عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا اسے سات بچے دلوانا،

نیز حضرت عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا منکر نکیر سے سوالات کرنا"،

ان تینوں حکایات کی کوئی اصل نہیں، یہ واضح کسی مُلحِد کی بنائی ہوئی ہیں

"**سُوال**: ان کرامتوں مفصلہ ذیل میں کیا حکم ہے؟ حضرت غوث اعظم قدس سرہ کے ایک مرید نے انتقال کیا، اس کا بیٹا روتا ہوا آپ کے پاس آیا، آپ نے اس کے حال پر رحم فرما کر آسمانِ چہارم پر جا کر ملک الموت سے روحِ مرید کو مانگا، ملک الموت نے جواب دیا کہ خدا تعالیٰ کے حکم سے روح آپ کے مرید کی قبض کی ہے، آپ نے فرمایا میرے حکم سے چھوڑ دے، جب ملک الموت نے نہ دی تو آپ نے زبردستی زنبیل تمام روحوں کی جو اس دن قبض کی تھیں چھین لی، تمام روحیں پرواز کر کے اپنے اپنے جسد میں داخل ہوئیں، ملک الموت نے خدائے تعالیٰ کے پاس فریاد کی، ایک شخص مجنون نے زنبیل روحوں کی چھین لی، فرمایا وہ ادھر کو تو نہیں آتا؟ عرض کیا نہیں آتا، کہا اچھا ہوا جو واپس گیا ورنہ وہ اگر ادھر کو آتا تو

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اس وقت تک جتنے مرے ہیں سب کے زندہ کرنے کو کہتا تو مجھے سب زندہ کرنے پڑتے، رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت۔

ایک عورت حضرت عبد القادر جیلانی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا: یا حضرت! مجھے بیٹا دو، آپ نے فرمایا کہ تیری تقدیر میں لوحِ محفوظ میں نہیں ہے، اس نے عرض کی اگر لوحِ محفوظ میں ہوتا تو تمہارے پاس کیوں آتی؟ آپ نے اللہ تعالیٰ سے کہا: یا خدا! تو اس عورت کو بیٹا دے، حکم ہوا اس کی قسمت میں لوحِ محفوظ میں بیٹا نہیں ہے، کہا: ایک نہیں تو دو دے، جواب آیا: ایک نہیں تو دو کہاں سے دوں؟ کہا: تو تین دے، کہا: جب ایک بھی نہیں تو تین کہاں سے؟ اس کی تقدیر میں بالکل نہیں، جب وہ عورت ناامید ہوئی، غوثِ اعظم نے غصہ میں آکر اپنے دروازہ کی خاک تعویذ بنا کر دے دی، اور کہا: تیرے سات بیٹے ہوں گے، وہ عورت خوش ہو کر چلی گئی اور اس کے سات بیٹے ہوئے۔

بعد وفات حضرت عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، ایک بزرگ نے آپ کو خواب میں دیکھا، کہا: منکر نکیر کے جواب سے آپ نے کیوں کر رہائی پائی؟ جناب شیخ نے فرمایا: یوں پوچھو منکر نکیر نے میرے سوالوں کے جواب میں کیونکر رہائی پائی؟ جس وقت میرے پاس قبر میں آئے، میں نے ان کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے اور کہا: یہ بتلاؤ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم زمین میں اپنا خلیفہ پیدا کریں گے تو تم نے یہ کیوں کہا کہ اے اللہ! تو ایسے شخص کو پیدا کرتا ہے جو زمین میں فساد پیدا کرے گا؟ شاید تم نے اللہ تعالیٰ کو مشورت طلب [اصل میں اسی طرح ہے] ٹھہرایا۔

جواب: ۔۔۔ مولوی ارشاد حسین صاحب سے تعجب ہے کہ ظاہر ان حکایات کو [اصل میں اسی طرح ہے] خصوصاً پہلی حکایت کو خلافِ شرع نہیں جانتے، حق تعالیٰ

سے غالب ہونا اور امرِ حق تعالیٰ کو رد کر دینا اور خدا تعالیٰ کا شیخ قدس سرہ سے ڈرنا تو صاف اس سے واضح ہے، اور پھر بھی خلافِ قاعدۂ شرع کے یہ نہیں تو معلوم نہیں وہ کونسا امر ہے کہ خلاف ہوتا ہے؟ اگر کوئی تاویل مولوی صاحب فرما کر یہ جواب لکھتے تو مضائقہ نہ تھا، مگر صاف طور پر ان کو تسلیم کرنا تھا[اصل میں اسی طرح ہے]، یہ مستبعد ہے علماء سے، کہ عوام کی غوایت[گمراہی] کو ایسا لکھنا کافی ہے۔

بہر حال یہ حکایات بظاہر خود کفر اور خلافِ قاعدۂ شرع کے ہیں، خصوصاً پہلی حکایت کہ مسلمانوں کو ایسا عقیدہ نہ کرنا چاہیئے، اور کمالاتِ شیخ کی عبودیت وبندگی اور عجزِ تام بدرگاہ حق تعالیٰ کے ہوتا ہے، نہ ایسی حکایاتِ واہیہ آپ کی شانِ رفیع تسلیم ورضا وفنا پیش حق تعالیٰ واوامر حق تعالیٰ کے ہے[اصل میں اسی طرح ہے]، چنانچہ ان کے کلمات فتوح الغیب سے واضح لائح ہے، نہ کہ مقابلہ امرِ حق تعالیٰ کا اور مخاصمہ ذات پروردگار کے ساتھ، معاذ اللہ!

الحاصل ان حکایات کی کوئی اصل نہیں، یہ واضح کسی مُلحِدْ کی ہیں، اور شانِ بزرگان سے بعید ہے کہ ایسی حکایات لکھیں یا اس پر عقیدہ کریں۔۔۔"[1]۔

*****

[1] تالیفات رشیدیہ: مشرکانہ حکایات پر اعتقاد، ص:۵۷ - ۶۱، ادارہ اسلامیات لاہور۔

روایت نمبر (۲)
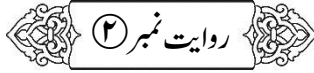
”آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج کے موقع پر پیر صاحب کے کندھا دینے کے اعزاز میں یہ فرمانا کہ جا اے محی الدین! تیرے قدم سب اولیاؤں کی گردن پر“،

یہ بالکل غلط اور جھوٹ ہے اور اس کا گھڑنے والا ملعون ہے

”**سوال:** بعض صوفی یہ کہتے ہیں کہ جس وقت جنابِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم معراج کو تشریف لے گئے ہیں اس وقت بڑے پیر صاحب نے کندھا دیا اور جنابِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جا اے محی الدین! تیرے قدم سب اولیاؤں کی گردن پر، تو اب یہ فرمایئے کہ اس کی کہیں اصل بھی ہے یا نہیں؟

جواب: یہ بالکل غلط اور جھوٹ ہے اور اس کا واضع [گھڑنے والا] ملعون ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم!“[1]۔

******

[1] تالیفات رشیدیہ: بڑے پیر صاحب کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کندھا دینا، ص:۱۰۷، ادارہ اسلامیات لاہور۔

روایت نمبر ③
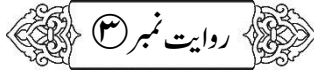
رمضان کے آخری جمعہ میں خطبہ الوداع (الوداع الوداع یاشہر رمضان!) پڑھنا بدعت ہے

"**سوال:** پڑھنا آخر جمعہ کو ماہ رمضان المبارک میں، الوداع الوداع یا شہر رمضان! اور الوداع الوداع یا سنت التراویح! اور اشعار فارسی یا اردو یا عربی کا، ہر جمعہ میں یا آخر جمعہ ماہ رمضان المبارک میں، درصورتیکہ عوام الناس خطبۃ الوداع آخر جمعۃ رمضان المبارک کو سنت بلکہ قریب واجب جانتے ہوں کیسا ہے؟ آیا حسبِ زعم ان کے سنت یا مستحب یا بخلاف اس کے بدعت ہے، بدلائل عقلیہ ونقلیہ از کتبِ معتبرہ جواب ارقام فرمایا جاوے، بینوا توجروا۔

جواب: یہ خطبہ بدعت ہے کہ مرثیہ اور اشعار قرون مشہود لہا بالخیر میں خطبہ میں منقول نہیں، علی الخصوص جب اس فعل کو ضروری جانا جاوے کہ مؤکد جاننا کسی امر مستحب کا بھی داخل تعدی حدود اللہ اور بدعتِ ضلالہ ہے، چہ جائیکہ امرِ محدث، اور پھر غیر زبان عربی میں خطبہ پڑھنا مکروہ ہے، بہر حال یہ فعل عوام جہلاء خطباء کا اور سنت جاننا اس کا بدعتِ ضلالہ واجب الترک ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم!"[1]

*****

---

[1] تالیفات رشیدیہ: الوداع کا خطبہ پڑھنا، ص:۱۳۸، ادارہ اسلامیات لاہور۔

علامہ ابو الحسنات عبد الحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ مروجہ طریقہ بدعت سے خالی نہیں، دیکھئے: فتاویٰ عبد الحی رحمۃ اللہ علیہ (ص:۵۳۴)۔

روایت نمبر ④

”آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے صاحبزادے ابراہیم رضی اللہ عنہ کے لئے فاتحہ خانی کرنا“، اس کا گھڑنے والا ملعون ہے کہ فخر عالم علیہ السلام پر تہمت باندھتا ہے

”**سوال**: در کتاب آذر جندی کہ از ملا علی قاری ست روایت ست [ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب آذر جندی میں روایت ہے]: «قال: كان اليوم الثالث عن وفاة إبراهيم بن محمد ﷺ، جاء أبو ذر عند النبي ﷺ، معه تمرة يابسة ولبن الناقة وخبز الشعير، فوضعهما عند النبي ﷺ، فقرأ النبي عليه الصلوة والسلام الفاتحة مرة وسورة الإخلاص ثلاث مرات، وقرأ: اللّٰهُمَّ صل على محمد أنت لها أهل. فرفع يديه ومسح وجهه، فأمر بأبي ذر أن يقسمهما، وقال النبي ﷺ: ثواب هذه الأطعمة لابني إبراهيم».
[ابراہیم بن محمد کی وفات کے تیسرے روز ابو ذر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ خشک کھجوریں، اونٹنی کا گوشت، اور جو کی روٹی لے کر حاضر ہوئے، اور یہ چیزیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لا کر پیش کر دیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ایک مرتبہ فاتحہ، تین مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھی، اور پھر یہ دعا کی: اے اللہ! محمد پر اپنی شان کے مطابق رحمت نازل فرما دیجئے، پھر ہاتھ اٹھا کر چہرے پر پھیر لئے، اور ابو ذر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ یہ چیزیں لوگوں میں تقسیم کر دو، اور مزید یہ فرمایا کہ اس کھانے کا ثواب میرے بیٹے ابراہیم کو ملے]

فقط، صحتِ نام کتاب، اور روایت کی، اس میں ہے یا نہیں، یا اور کسی کتاب میں ہے؟

جواب: نہ کتاب آذر جندی از تصانیف ملا علی قاری ست ونہ روایت مذکورہ صحیح

ومعتبر است بلکہ موضوع است و باطل بر آں اعتماد نشاید در کتب حدیث نشانے از ہمچو روایت یافتہ نمی شود [کتاب آذر جندی نہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے، اور نہ مذکورہ روایت صحیح و معتبر ہے بلکہ موضوع ہے، اور بالکل اس پر بھروسہ نہ کیا جائے، اور کتبِ حدیث میں ایسی روایت کا کوئی پتہ نہیں پایا جاتا]

حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی منقولہ از رسالہ شمشیر خنداں مؤلف مولانا دین محمد صاحب مرحوم مطبوعہ صدیقی لاہور۔

الجواب: یہ حدیث وضعی [گھڑی ہوئی] ہے اور بنانے والا۔۔[كذا في الأصل] اس کا کاذب اور مفتری ہے، اور آذر جندی کوئی کتاب ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف سے نہیں ہے، انتہیٰ محمد صدر الدین صدر صدور دہلی [اس کے بعد بہت سے علماء کے دستخط ہیں]

الجواب صحیح: اور اس کا واضع [گھڑنے والا] ملعون ہے کہ فخر عالم علیہ السلام پر تہمت کرتا ہے فقط، رشید احمد گنگوہی عفی عنہ" [1]۔

ایک دوسرے انداز سے

"**سوال:** ہم نے "ہدیۃ الحرمین" میں دیکھا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیٹے ابراہیم کے سوئم ودسواں وبیسواں وچہلم وغیرہ میں چھوارے پر فاتحہ دیا اور اصحابوں کو کھلایا، پس فی زمانہ لوگ، پھول پان وغیرہ کرنے سے چہلم وسوئم

---

[1] تالیفات رشیدیہ: کتاب آذر جندی سے فاتحہ کا ثبوت، ص: ۱۴۰، ادارہ اسلامیات لاہور۔

دسواں و بیسواں میں، مانع ہوتے ہیں [یعنی ان رسومات سے لوگ رکاوٹ بنتے ہیں، اس کے لئے مانع بننا] کیسا ہے؟

جواب: ہو المصوب، یہ قصہ جو "ہدیۃ الحرمین" میں لکھا ہے محض غلط ہے، کتبِ معتبرہ میں اس کا نشان نہیں، واللہ أعلم، حررہ الراجي عفو ربہ القوی أبو الحسنات محمد عبد الحي تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلي والخفي."[1]۔

ایک نئے انداز سے

"**سوال:** زید دعوی کرتا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجلسِ مولود میں تشریف لے گئے، اور آپ نے اجازت دی اور آپ کے زمانہ میں یہ مجلس ہوئی، اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ اور چھوارے پر فاتحہ اپنے فرزند ابراہیم کی دی، اور عمرو کہتا ہے کہ یہ بات محض جھوٹ ہے، کسی کتابِ حدیث اور فقہ معتبر سے ثابت نہیں، اللہ کی لعنت ہے جھوٹوں پر، اگر یہ بات ثابت ہو جاوے تو میں اپنے کہنے اور اعتقاد سے توبہ کروں گا، اور زید بھی یہی کہتا ہے کہ اگر یہ بات ثابت نہیں ہوئی تو میں اپنے عقیدہ اور قول سے توبہ کروں گا، اس واسطے کہ علمائے دین سے سوال ہے کہ جو کچھ حق ہو اللہ تعالیٰ سے ڈر کر کتبِ معتبرہ سے اس کا جواب لکھیں۔

جواب: زید جھوٹا ہے اور یہ بات کسی معتبر کتاب میں نہیں لکھی، زید کو چاہیئے کہ ایسی بات سے توبہ کرے اور اگر کسی عالم بے دین سے ایسی بات سنی ہو تو اس کی صحبت میں نہ بیٹھے، اور دوسری بات جو زید نے کہی وہ بھی جھوٹ ہے اور

---

[1] تالیفات رشیدیہ: ہدیۃ الحرمین سے فاتحہ کا ثبوت، ص: ۱۴۲، ادارہ اسلامیات لاہور۔

آنحضرت علیہ السلام پر افتراء، مسلمانوں کو چاہیئے کہ ایسے بے دین کو سمجھاویں اور اگر پھر بھی توبہ نہ کرے تو اس کی ملاقات سے پرہیز کریں، اور کسی کتاب سے، قابلِ اعتبار ہو، یہ بات ثابت نہیں، اور عمرو دونوں مسئلوں میں سچا ہے اور اس کی بات بھی ٹھیک ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ ۔۔ الجواب صحیح، بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ"[1]۔

*****

[1] تالیفات رشیدیہ: مجلس میلاد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لانا، ص:۱۱۴، ۱۱۵، ادارہ اسلامیات لاہور۔

روایت نمبر ۵

درودِ تاج کی تعلیم دینا اسی طرح ہے کہ عوام کو زہرِ قاتل دے دیا جائے، عوام کے عقیدہ کی خرابی کی وجہ سے اس کا پڑھنا ممنوع ہے

"**سوال**: چہ فرمانید علمائے دین رحکم اللہ تعالیٰ در ثبوت و فضیلت وثواب درود تاج کہ در اکثر عوام بالخصوص جہلا شہرت دارد و مندرجہ الفاظ ان نسبتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کردہ «دافع البلاء والوباء والقحط والمرض والألم» الخ آیا خواندن آں و معتقد فضیلت وثواب آں از ادلہ شرعیہ ثابت و درست است یا منع و شرک و بدعت۔

جواب: انچہ فضائل درود تاج کہ بعض جہلا بیان کنند غلط است وقدر آں بجز شارع علیہ السلام معلوم شدن محال و تالیف ایں درود بعد مرور صدہا سال واقع شد پس چگونہ درود ایں صیغہ را موجب ثواب قرار دادہ شود وانچہ در احادیث صحاح صیغہائے درود وارد شدہ آں را ترک کردن وایں را موعود بثواب جزیل پنداشتن و درود ساختن بدعۃ ضلالت ہست وچوں آنکہ در آں کلمات شرکیہ مذکور اند اندیشہ خرابی عقیدہ عوام است لہذا ورد آں ممنوع ہست پس تعلیم درود تاج ہمانا سم قاتل بعوام سپردن ست کہ صدہا مردم بفساد عقیدہ شرکیہ مبتلا شوند و موجب ہلاکت ایشاں گردد، فقط واللہ تعالیٰ اعلم!۔

[علماء دین اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے کیا فرماتے ہیں درودِ تاج کی فضیلت اور ثواب اور اس کے ثبوت کے بارہ میں، اکثر عوام بالخصوص جہلاء میں شہرت رکھتا ہے، اور اس کے مندرجہ ذیل الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت رکھتے ہیں:

”دافع بلاء و وباء وقحط ومرض والم“ (دکھ)۔ آیا اس کا پڑھنا اور اس کی فضیلت وثواب کا اعتقاد رکھنا، ادلۂ شرعیہ سے ثابت اور درست ہے یا نہیں یا یہ شرک وبدعت ہے؟

درود شریف کے جو کچھ فضائل بعض جاہل بیان کرتے ہیں بالکل غلط ہے، اور اس کا مرتبہ بجز شارع علیہ السلام کے یہاں فرمانے کے معلوم ہونا محال ہے، اور اس درود کی تالیف صدہا سال گزرنے کے بعد ہوئی ہے، پس کس طرح درود کے اس صیغہ کو باعث ثواب قرار دے سکتے ہیں؟ اور صحیح حدیثوں میں درود شریف کے جو صیغے آئے ہیں اُن کو چھوڑنا، اور اس [درودِ تاج] میں بہت کچھ ثواب کی امید رکھنا اور اس کا ورد کرنا گمراہی وبدعت ہے، اور چونکہ اس [درودِ تاج] میں کلماتِ شرکیہ بھی ہیں، اندیشہ عوام کے عقیدہ کی خرابی کا ہے، لہذا اس کا پڑھنا ممنوع ہے، پس درودِ تاج کی تعلیم دینا اسی طرح ہے کہ عوام کو زہرِ قاتل دے دیا جائے، کیونکہ بہت سے آدمی عقیدۂ شرکیہ کے فساد میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اور ان کی ہلاکت کا موجب ہوتا ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم“][1]۔

*****

[1] تالیفات رشیدیہ: درود تاج کا حکم، ص:۱۴۹، ادارہ اسلامیات لاہور۔

روایت نمبر ⑥
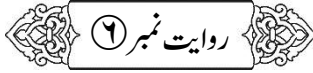
حدیث قدسی: ”تمام مخلوق میری رضامندی طلب کرتے ہیں، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اور میں تیری رضا طلب کرتا ہوں“، اس کی سند و صحت بندہ کو معلوم نہیں، اگرچہ اس کا معنی صحیح ہے

”**سوال**: ایک روایت بطور حدیثِ قدسی کے اس ملک میں مشہور ہے، اور بعض علماء کو دیکھا ہے کہ خطبے میں بھی پڑھتے تھے، اور بعض رسالوں میں بھی اس کو دیکھا گیا ہے، یہاں تک کہ ”تکمیل الایمان“ تصنیف شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ میں بھی تحتِ مسئلۂ شفاعت مندرج ہے، مگر کسی جگہ اس کی سند نہیں دیکھی گئی، اور نہ کسی کتاب حدیث شریف سے منقول پایا، اور وہ روایت یہ ہے:

«همه خلق رضائي من طلبند أي: محمد ﷺ، ومن رضائی تو طلبم، كلهم من لدن العرش إلى تحت الأرضين يطلبون رضائي وأنا أطلب رضاءك يا محمد ﷺ!» [تمام مخلوق میری رضامندی طلب کرتے ہیں، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اور میں تیری رضا طلب کرتا ہوں، اور سب عرش سے لے کر زمینوں کے نیچے تک رہنے والے میری رضا طلب کرتے ہیں، اور میں تیری رضا طلب کرتا ہوں، اے محمد!].

جواب: اس کی سند و صحت بندہ کو معلوم نہیں، اور جو اس کے معنی آیت: «ولسوف يعطيك ربك فترضى» [اور عنقریب تجھ کو تیرا خدا عطا فرماوے گا کہ اس سے تو راضی ہو جائے گا] کے، لئے جاویں تو معنی صحیح ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم!“[1]

---

[1] تالیفات رشیدیہ: حضور کی رضامندی کا مطلب، ص: ۱۶۲، ادارہ اسلامیات لاہور۔

روایت نمبر ⑦

”آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا روزِ قیامت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو دوزخ کے راستے پر، عمر رضی اللہ عنہ کو میزان پر، عثمان رضی اللہ عنہ کو حوضِ کوثر پر، علی رضی اللہ عنہ کو دوزخ کے دروازے پر متعین کرنا تاکہ امتی جہنم میں نہ جائیں۔۔۔“، اس من گھڑت روایت کا عقیدہ رکھنے والا فاسق، آگ کا مستحق ہے، اور اس پر کفر کا اندیشہ بھی ہے

”**سوال**: کتاب ”مقاصد الصالحین“ (ص: ۳۶) میں ہے، نقل ہے کہ جب قیامت قائم ہوگی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حکم کریں گے کہ تم دوزخ کی راہ گھیر کر کھڑے ہو جاؤ، اگر کسی شخص کو میری امت سے دوزخ میں لے جائیں تم ہرگز نہ جانے دیجیو جب تک میں نہ پہنچوں، اور عمر رضی اللہ عنہ کو حکم ہو گا کہ تم میزان کے پاس جاکر کھڑے رہو اور خبردار رہو کہ اعمال میری امت کے اچھے تولے جاویں، اگر کسی کا پلّہ عبادت کا ہلکا ہو تو اس کا تولنا موقوف رہے جب تک کہ میں نہ آجاؤں۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لے جاویں گے حکم ہو گا کہ ان کی عبادت، میری روبرو وزن کرو، فرشتے آپ کا حکم بجالائیں گے، جب تولنے کے وقت پلّہ کسی کی عبادت کا سبکی [ہلکے پن] کی طرف مائل ہو گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دستِ مبارک سے اس پلہ کو دبادیں گے کہ بھاری ہو جاوے گا، تب فرشتوں کو حکم الٰہی پہنچے گا کہ اے فرشتو! میرے دوست کے خلافِ مرضی کوئی کام نہ کرنا کہ آج میں نے اس کو اختیار دیا ہے جو چاہے سو کرے، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حوضِ کوثر

پر مامور ہوں گے کہ سب سے پہلے میری امت سیراب ہووے، اور حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ دوذخ کے دروازے پر متعین کئے جائیں گے کہ کوئی امتی میرا دوذخ میں نہ جانے پائے جب تک میں نہ آجاؤں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سایۂ عرش میں جاکر اپنے عاصیانِ امت کی شفاعت میں مصروف ہوں گے۔

اس حالت میں جبرائیل علیہ السلام سراسیمہ [خوف زدہ] آپ کے پاس آئیں گے آپ ان سے سبب سراسیمگی [خوف] پوچھیں گے وہ عرض کریں گے کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس وقت میرا گزر دوذخ کی طرف ہوا، میں نے دیکھا کہ ایک شخص آپ کی امت کا عذاب میں گرفتار ہے، اور رو رو کر کہتا ہے کہ افسوس کوئی ایسا نہیں کہ میرا حال پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرے اور آپ کو میری خبر دے، اس کی فریاد میں میرا حال متغیر ہوا، آپ یہ سن کر روتے ہوئے دوزخ کی طرف تشریف لے جائیں گے اور اس کو عذاب سے چھوڑائیں [كذا في الأصل] گے، مالک [داروغۂ جہنم] کو حکم ہو گا کہ ہر گز میرے حبیب کے امورات میں دخل نہ دینا اور چُون وچِرا [تکرار] نہ کرنا، بعد اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میزان کے پاس تشریف لے جائیں گے اور اعمال کے تولنے والوں کو حکم دیں گے کہ اعمال میری امت کے اچھی طرح سے تولنا، پھر کنارۂ دوزخ پر جاکر فرمائیں گے کہ اے مالک! اگر کوئی شخص میری امت کا آئے اس پر سختی نہ کیجئو جب تک میں نہ آؤں، آخر کو نوبت یہاں تک پہنچے گی جس شخص کو ملائکہ کے ہاتھ میں دیکھیں گے جناب باری میں عرض کریں گے کہ اے بار خدا! اس کو میری التماس سے بخش دے یا مجھ کو بھی اس کے ساتھ جانے کا حکم دے، انتہی۔

اے عزیز! کچھ جانتے ہو کہ احکامِ الٰہی میں کیا کیا اسرار ہیں فقط [اصل میں اسی

طرح ہے]، لہذا اس کا پڑھنا اور پڑھانا اور اعتقاد کرنا ان روایات کا، صحیح ہے یا غلط اور موضوع ہے؟ بینوا وتوجروا۔

جواب: عبارت مذکورہ بالا کا مضمون احادیثِ صحاح کے خلاف ہے، لہذا غلط ہے، اور یہ احادیثِ مذکورہ بالا موضوع ہیں، اور واضع [گھڑنے والا] ان کا اور ان پر عقیدہ رکھنے والا داخل حدیث: «من كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار». ''جو مجھ پر جھوٹ بولے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے'' ہے، اور ایسا شخص فاسق ہے، اور اندیشہ کفر کا بھی اس پر ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم!''[1]

*****

[1] تالیفات رشیدیہ: حالاتِ قیامت پر بحث، ص: ۱۶۲، ۱۶۳، ادارہ اسلامیات لاہور۔

روایت نمبر ⑧
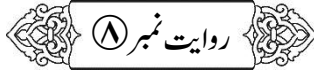
”صلوۃ العاشقین“ (ایک مخصوص نماز)، اس نماز کی سند کسی حدیث یا فقہ کی کتاب میں بندہ (حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ) نے نہیں دیکھی

”**سؤال:** چار رکعت وقت صبح کاذب [صبح کی روشنی، جس کے بعد پھر اندھیرا ہو جاتا ہے] کے، رکعتِ اول میں بعد فاتحہ واخلاص کے، یا اللہ سو بار، رکعتِ دوم میں بعد الحمد واخلاص کے، یا رحمٰن سو بار، رکعتِ سوم میں بعد فاتحہ واخلاص کے، یا رحیم سو بار، رکعتِ چہارم میں بعد فاتحہ واخلاص، یا ودود سو بار پڑھنے سے مقرب خدا تعالیٰ کا ہوگا، یہ نماز ایک کتاب میں لکھی ہے، اور اس نماز کو ”صلوۃ العاشقین“ کہتے ہیں، یہ نماز جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اس صلوۃ کی سند کسی حدیث کی کتاب سے یا فقہ سے، بندہ نے نہیں دیکھی“۔[1]

---

[1] تالیفات رشیدیہ: صلوۃ العاشقین، ص:۱۶۷، ادارہ اسلامیات لاہور۔

مجدد الامہ ابو الحسنات عبد الحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ نماز کو ”الآثار المرفوعہ“ (ص:۱۰۳ تا ۱۲۳) میں ”صلاۃ المحبہ“ کے نام سے ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ یہ اور ان جیسی دیگر بہت سی نمازیں کتاب ”وسیلہ الطالبین الی محبہ رب العالمین“ میں نقل کی گئی ہیں، اس نماز کو حضرت لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ سے نقل کیا ہے: «ومنها: صلاة المحبة، وهي أربع ركعات تصلى بعد صلاة الخضر [أي: الصلاة التي ذكرت قبلها]، يقرأ في الركعة الأولى بعد الفاتحة: يا الله! مائة مرة، وفي الثانية بعد الفاتحة: يا رحمن! مائة مرة، وفي الثالثة: يا رحيم! مائة مرة، وفي الرابعة: يا ودود! مائة مرة».

اس کے بعد حضرت لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اور اس جیسی دیگر نمازوں کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہونے کو خوب تفصیل سے بیان کیا ہے، اہمیت کے پیش نظر یہ تفصیلی عبارت ملاحظہ ہو:

«وأما الطبقة العالية فهي بريئة في هذا القسم عن مثل هذه الطريقة الواهية، والحكم في هذين القسمين أن نفس أداء تلك الصلوات المخصوصة بتراكيب مختصة لا يضر ولا يمنع عنه ما لم تشتمل تلك الكيفية على أمر يمنع عنه الشرع ويزجر عنه، فإن وجدت كيفية تخالف الشريعة فلا رخصة في أدائها لأحد من أرباب المشيخة زعما منهم أن هذا ثابت في الطريقة وإن خالف الشريعة، لما ذكرنا سابقا أن الطريقة ليست مباينة للشريعة، ومن توهم ذلك فهو إما جاهل أو مجنون وإما غافل وإما مفتون.

لكن يشترط في الأخذ بها لا [كذا في الأصل، والظاهر أنه خطأ كاتب] أن لا يهتم بها أزيد من اهتمام العبادات المروية، لا سيما الواجبات والفرائض الشرعية، وأن لا يظنها منسوبة إلى صاحب الشريعة، ولا يتوهم ثبوت تلك الأحاديث المروية ولا يعتقد نسبتها واستحبابها كاستحباب العبادات الشرعية، ولا يلتزمها التزاما زجر عنه الشرع، فإن كل مباح أدى إلى التزام ما لم يلزم يكون مكرها [كذا في الأصل، والظاهر أنه مكروها] في الشرع، ولا يعتقد ترتب الثواب المخصوص عليه كترتب الثواب المخصوص على ما نص عليه الرسول، ويشترط مع ذلك في كليهما ألا يجر التزامها وأدائها إلى إفساد عقائد الجهلة، ولا يقضي [كذا فى الأصل] إلى المفسدة بأن يظن ما ليس نسبه [كذا في الأصل] سنة وما هو سنة بدعة، ومن ثم منع صاحب البحر الرائق وغيره من أداء أربع الظهر بعد الجمعة وإن اختاره جمع من الفقهاء للعلة الاحتياطية، ثم أن القسم الأول يجب كون الاهتمام به أقل من الاهتمام بالقسم الثاني لئلا يورث ذلك إلى ظن الأحاديث الموضوعة غير موضوعة، بل لو قيل تركها لم يبعد عند العالم الرباني والله أعلم، علمه أحكم، ولعمري وجود من يشتغل بها مع الشروط التي ذكرناها في زماننا هذا نادر وحكم أدائها بدون هذه الشرائط مما أسلفنا ذكره ظاهر، وكعلم من التزم بأنواع العبادات الثابتة بتركها الواردة كفى ذلك له في الدنيا

آج کل جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم کو لئے پھرتے ہیں ان کا اعتبار نہیں

"**سوال:** معجزہ قدم شریف یعنی سنگ [پتھر] موم ہو کر نقشِ قدم ہو جانا، چنانچہ بکثرت دیکھا جاتا ہے کہ لوگ لئے پھرتے ہیں، احادیثِ صحیحہ مستندہ سے ثابت ہے یا نہیں؟

جواب: کتبِ احادیث سے تو اس کا پتہ نہیں چلتا، البتہ "قصیدہ ہمزیہ" میں دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ معجزہ نقشِ قدم کا ظاہر ہوا ہے، لیکن آج کل جو لئے پھرتے ہیں ان کا اعتبار نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم!"[1]۔

******

والآخرة من غير حاجة إلى التزام هذه الصلوات المخترعة والعمل بالأحاديث المختلفة [كذا في الأصل] فافهم واستقم».

[1] تالیفات رشیدیہ: معجزہ قدم شریف، ص:۱۶۷، ادارہ اسلامیات لاہور۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ "مجموع الفتاوی" (۲۷/ ۸۷) میں فرماتے ہیں: "قدم شریف کا کسی پتھر پر نقش ہو جانا یہ جھوٹ ہے، گھڑی ہوئی بات ہے"، امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "الحاوی للفتاوی" (۲/ ۱۰۸) میں لکھا ہے: "میں اس کی اصل وسند پر واقف نہیں ہو سکا ہوں، اور نہ ہی کسی ایسے شخص سے واقف ہو سکا ہوں جس نے کسی بھی حدیث کی کتاب میں اس کی تخریج کی ہو"۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے اس کلام پر حافظ ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ نے "الفتاوی الحدیثیہ" (ص:۱۷۷) میں اکتفاء کیا ہے، امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "حقیقۃ السنہ والبدعہ" (ص:۳۵) میں صخرۂ بیت المقدس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نشاناتِ قدم کو بے اصل قرار دیا ہے۔

روایت نمبر ⑩
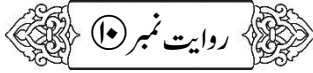
جو شخص پان کھانے کی فضیلت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے ثابت بتاتا ہو وہ بڑا جاہل بلکہ بے دین ہے

"**سوال:** پان کھانا حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ پان کھانے کی بہت تعریف حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے، قولِ زید صحیح ہے یا غلط ہے؟

جواب: جو شخص پان کھانے کی فضیلت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے ثابت بتاتا ہو وہ بڑا جاہل بلکہ بے دین ہے، اس کی بات بھی نہ سننا چاہیئے"[1]۔
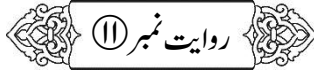
*****

---

[1] تالیفات رشیدیہ: پان کھانا، ص:۱۷۰، ادارہ اسلامیات لاہور۔

روایت نمبر (۱۱)

وضو کے اندر ہر ہر عضو پر اذکار پڑھتے ہیں ان کی کوئی سند صحیح نہیں ہے، لیکن روایات قابلِ عمل ہیں

"**سؤال:** جو لوگ وضو کے اندر ہر ہر عضو پر اذکار پڑھتے ہیں آیا کوئی اصل معتمد اس کی ہے یا نہیں؟

جواب: جو وضو کے اندر ہر ہر عضو پر اذکار پڑھتے ہیں ان کی کوئی سند صحیح نہیں ہے، لیکن روایات قابلِ عمل ہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم!"[۱]۔

---

[۱] تالیفات رشیدیہ: وضو کی دعائیں، ص: ۲۲۲، ادارہ اسلامیات لاہور۔

یہ واضح رہے کہ بظاہر متعلقہ سوال وجواب خاص اس روایت کے بارے میں ہے جس میں اول تا آخر تمام اعضاء وضوء پر ایک الگ مخصوص دعا بتائی گئی ہے (دیکھئے: المنار المنیف مع تعلیقات شیخ ابو غدہ، ص: ۱۲۲)، خاص اس روایت کے بارے میں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ "الاذکار" (ص: ۲۴) میں فرماتے ہیں: "اعضاء وضوء پر دعاؤں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ بھی منقول نہیں ہے"، حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے "المنار المنیف" (ص: ۱۲۲) میں اس روایت کو باطل کہا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت ثبوت سے قاصر ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس روایت پر تعقبات کو علامہ پٹنی رحمۃ اللہ علیہ کی "تذکرۃ الموضوعات" (ص: ۳۱) میں ان الفاظ سے نقل کیا ہے:

«يا أنس! ادن مني، أعلمك مقادير الوضوء ... يكون ثواب ذلك التسبيح إلى يوم القيامة. فيه عبادة بن صهيب متهم، وقال البخاري والنسائي: متروك. وفيه أحمد بن هاشم اتهمه الدارقطني، وقد نص النووي ببطلان هذا الحديث وأنه لا أصل له، وتعقبه شارح المنهاج بأنه روي من طرق مثله عن أنس رواه ابن حبان في ترجمة عباد بن صهيب، وقد قال أبو داود: إنه صدوق قدري، وقال أحمد: ما كان صاحب كذب انتهى.

روایت نمبر ⑫

”عہد نامہ“ کے پڑھنے میں کچھ حرج نہیں، مگر اس کا ثواب جو لکھا ہے وہ غلط ہے

”**سوال**: عہد نامہ“ ایک چھوٹی کتاب ہے، اور اس کے پڑھنے کا ثواب حد درجہ لکھا ہے، یہ ”عہد نامہ“ اور اس کی اسناد معتبر ہے یا غیر معتبر؟

جواب: ”عہد نامہ“ کے پڑھنے میں کچھ حرج نہیں، مگر اس کا ثواب جو لکھا ہے وہ غلط ہے“[1]۔

*****

قال ابن حجر: يشهد المبتدئ في هذه الصناعة أنها موضوعة، ومعنى قول أحمد وأبي داود أنه كان لا يتعمد الكذب، بل يقع ذلك منه من غلطته وغفلته، ولذلك ترك وكذب، الرواي عن عباد ضعيف أيضا.

وروي مثله بزيادة بعض الأدعية عن الحسن البصري عن علي رفعه، وقال ابن حجر: حديث غريب، وفيه خارجة بن مصعب تركه الجمهور وكذبه ابن معين، قال ابن حبان: كان يدلس عن الكذابين رووها عن الثقات».

[1] تالیفات رشیدیہ: عہد نامہ کا پڑھنا، ص:۲۲۲، ادارہ اسلامیات لاہور۔

روایت نمبر (۱۳)
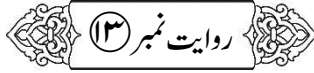
میت کو دفن کرنے کے بعد اول آخر سورہ بقرہ پڑھنا تو حدیث میں وارد ہے، مگر قبر پر انگلی رکھنے کا ذکر نہیں ہے

"**سوال:** میت کو دفن کرنے کے بعد شہادت کی انگلی سرہانے اور پائنتیں [پاؤں کی جانب] رکھ کر دو شخص اول آخر سورۂ بقرہ پڑھتے ہیں، درست ہے یا نہیں؟

جواب: اول آخر سورہ پڑھنا تو حدیث شریف میں وارد ہوا ہے، مگر خصوصیت انگلی کی نہیں ہے، فقط!"[1] ******

---

[1] تالیفات رشیدیہ: قبر پر قرآن شریف پڑھنا، ص:۲۳۱، ادارہ اسلامیات لاہور۔

حافظ ابن قیم الجوزیہ رحمۃ اللہ علیہ نے "الروح" (ص: ۱۰) میں تدفین کے بعد میت پر اول آخر سورۂ بقرہ کے دلائل ان الفاظ سے نقل کئے ہیں:

«وقد ذكر عن جماعة من السلف أنهم أوصوا أن يقرأ عند قبورهم وقت الدفن، قال عبد الحق: يروى أن عبد الله بن عمر أمر أن يقرأ عند قبره سورة البقرة، وممن رأى ذلك المعلى بن عبد الرحمن، وكان الإمام أحمد ينكر ذلك أولا حيث لم يبلغه فيه أثر ثم رجع عن ذلك.

وقال الخلال في الجامع: كتاب القراءة عند القبور، أخبرنا العباس بن محمد الدوري، حدثنا يحي بن معين، حدثنا مبشر الحلبي، حدثني عبد الرحمن بن العلاء بن اللجلاج، عن أبيه قال: قال أبي: إذا أنا مت فضعني في اللحد، وقل: بسم الله وعلى سنة رسول الله، وسن علي التراب سنا، واقرأ عند رأسي بفاتحة البقرة، فإني سمعت عبد الله بن عمر يقول ذلك، قال عباس الدوري: سألت أحمد بن حنبل، قلت: تحفظ في القراءة على القبر شيئا؟ فقال: لا، وسألت يحي ابن معين فحدثنى بهذا الحديث.

روایت نمبر (۱۴)

”ارواحِ مؤمنین ہر جمعہ کی شب کو اپنے اہل وعیال میں آتی ہیں“، یہ کہیں ثابت نہیں ہے، یہ روایات واہیہ ہیں، اس پر ہر گز عقیدہ نہیں رکھنا چاہیئے

”**سوال:** ارواحِ مؤمنین ہر جمعہ کی شب کو اپنے اہل وعیال میں آتی ہیں یہ صحیح ہے یا نہیں؟ اس طرح کا عقیدہ رکھنا درست ہے یا نہیں؟

جواب: ارواحِ مؤمنین کا شبِ جمعہ وغیرہ کو اپنے گھر آنا کہیں ثابت نہیں ہوا، یہ روایاتِ واہیہ ہیں، اس پر عقیدہ کرنا ہر گز نہیں چاہیئے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، کتبہ

قال الخلال: وأخبرني الحسن بن أحمد الوراق، حدثني علي بن موسى الحداد وكان صدوقا، قال: كنت مع أحمد بن حنبل ومحمد بن قدامة الجوهري في جنازة، فلما دفن الميت، جلس رجل ضرير يقرأ عند القبر، فقال له أحمد: يا هذا! إن القراءة عند القبر بدعة، فلما خرجنا من المقابر قال محمد بن قدامة لأحمد بن حنبل: يا أبا عبد الله! ما تقول في مبشر الحلبي، قال: ثقة، قال: كتبت عنه شيئا؟ قال: نعم، فأخبرني مبشر عن عبد الرحمن بن العلاء اللجلاج عن أبيه أنه أوصى إذا دفن أن يقرأ عند رأسه بفاتحة البقرة وخاتمتها، وقال: سمعت ابن عمر يوصي بذلك، فقال له أحمد: فارجع وقل للرجل: يقرأ.

وقال الحسن بن الصباح الزعفراني: سألت الشافعي عن القراءة عند القبر؟ فقال: لا بأس بها.

وذكر الخلال عن الشعبي قال: كانت الأنصار إذا مات لهم الميت اختلفوا إلى قبره يقرءون عنده القرآن ... «.

الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی"[1]۔

ایک دوسرے انداز سے

"**سوال:** بعض علماء کہتے ہیں کہ مردہ کی روح اپنے مکان پر شبِ جمعہ کو آتی ہے، اور طالبِ خیرات وثواب ہوتی ہے، اور نگاہوں سے پوشیدہ ہوتی ہے، یہ امر صحیح ہے یا غلط؟

جواب: یہ روایت صحیح نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم!"[2]۔

---

[1] تالیفات رشیدیہ: مؤمنین کی روحوں کا شب جمعہ اپنے گھر آنا، ص:۲۳۳، ادارہ اسلامیات لاہور۔

[2] تالیفات رشیدیہ: مردہ کی روح کا شب جمعہ گھر آنا، ص:۲۳۴، ادارہ اسلامیات لاہور۔

شیخ ابو الحسن ہکّاری (المتوفی ۴۸۵ھ) نے اپنی کتاب "ہدیہ الاحیاء للاموات" (مخطوط، ص:۶) میں متعلقہ سوال پر مشتمل روایت ان لفظوں سے تخریج کی ہے:

«أخبرنا أبو عبد الرحمن محمد بن الحسين بن موسى السلمي كتابة، قال: ثنا أبو القاسم عبد الله بن محمد النيسابوري، عن علي بن موسى البصري، عن ابن جريج، عن موسى بن وردان، عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله ﷺ: أهدوا لموتاكم، قلنا: وما نهدي يا رسول الله! إلى الموتى؟ قال: الصدقة والدعاء، ثم قال رسول الله ﷺ:

إن أرواح المؤمنين يأتون كل جمعة إلى سماء الدنيا فيقفون بحذاء دورهم وبيوتهم، فينادي كل واحد منهم بصوت حزين: يا أهلي وولدي وأهل بيتي وقراباتي! اعطفوا علينا بشيء، رحمكم الله، واذكرونا ولا تنسونا، وارحموا غربتنا وقلة حيلتنا وما نحن فيه، فإنا قد بقينا في سحيق وثيق، وغم طويل، ووهن شديد، فارحمونا رحمكم الله، ولا تبخلوا علينا بدعاء أو صدقة أو تسبيح، لعل الله يرحنا قبل أن تكونوا أمثالنا، فيا حسرتاه! وانداماه! يا عباد الله! اسمعوا كلامنا، ولا تنسونا، فأنتم

تعلمون أن هذه الفضول التي في أيديكم كانت في أيدينا، وكنا لم ننفق في طاعة الله، ومنعناها عن الحق فصار وبالا علينا ومنفعته لغيرنا، والحساب والعقاب علينا، قال: فينادي كل واحد منهم ألف مرة من الرجال والنساء، اعطفوا علينا بدرهم أو رغيف أو كسرة.

قال: فبكى رسول الله ﷺ وبكينا معه، فلم نستطع أن نتكلم ثم قال: أولئك إخوانكم كانوا في نعيم الدنيا، فصاروا رميما بعد النعيم والسرور، قال: ثم يبكون وينادون بالويل والثبور والنفير على أنفسهم، يقولون: يا وليتنا! لو أنفقنا ما كان في أيدينا ما احتجنا [.. ..] فيرجعون بحسرة وندامة، فينادون: ما أسرع ما تبكون أنتم على أنفسكم! ثم لم ينفعكم فبادروا قبل أن تلحقوا بنا، فتكونوا أمثالنا، وقد نصحنا لكم، مهلا مهلا، ثم ينادون بأجمعهم إن كنا أيسنا من أهالينا فإن الرحمن يذكرنا [.. ..] هو يرحمنا، فإن رحمته وسعت كل شيء.

فقالوا: يا نبي الله! صف لنا الصدقة للأموات؟ فقال: إنك لتصدق عن ميتك بصدقة فيجيئه ملك من الملائكة بطبق من نور فيجعلها على الطبق ولها نور ساطع في سبع سماوات، فيقوم على شفير قبره فينادي: السلام عليك يا صاحب القبر الغريب! إن أهلك أهدوا إليك بهدية فاقبلها، قال: فيدخل الله في قبره وينور له في قبره، ويوسع عليه بها، من أعطى صدقة لميت فله عند الله من الثواب، مثل جبل أحد، ومثل جبل [..] وهو في ظل عرش الله يوم لا ظل إلا ظله، ولا حساب عليه، فتصدقوا رحمكم الله على موتاكم، فانتم تنجون يوم القيامة من عذاب الله وتفرحون في جنة الله». (هدية الأحياء للأموات وما يصل إليهم من النفع والثواب على ممر الأوقات: المخطوطة، أصل هذه النسخة في مكتبة شهيد علي باشا بتركيا).

واضح رہے کہ صاحبِ کتاب ابو الحسن ہکّاری، نُقّاد محدثین کے نزدیک شدید مجروح ہے، چنانچہ حافظ ابن نجار رحمۃ اللہ علیہ "ذیل تاریخ بغداد" (ص:۳۰/ ۱۷۳) میں لکھتے ہیں: "ابو الحسن ہکّاری کی روایات میں غرائب اور منکرات غالب ہیں، اور اس کی حدیث اہلِ صدق کی احادیث کی طرح نہیں ہے، ان سے منقول احادیث کے الفاظ من گھڑت ہیں، جنہیں صحیح سندوں کے ساتھ چسپاں کیا گیا ہے، (ابن نجار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) میں نے

ایک نئے انداز سے

"سوال: ارواح مُردگان اپنے گھروں میں، بعد وفات جیسا کہ امام محمد بن محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے "دقائق الاخبار" میں، آتی ہیں، یا نہیں؟

جواب: نہیں آتی، اور یہ روایات قابلِ اعتبار نہیں، فقط، واللہ تعالیٰ اعلم!"[1]

*****

اصبہان کے بعض محدثین کی تحریرات میں دیکھا کہ یہ (ابوالحسن) حدیثیں گھڑتا ہے"۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ "تاریخ الاسلام" (۲۹ /۲۹۷) میں فرماتے ہیں: "ابن نجار رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے۔۔۔ ابوالحسن ہَکّاری نے ابوبکر دِینَوَرِی سے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر کے چالیس روایات ذکر کی ہیں۔ میں (یعنی حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہوں کہ یہ روایات من گھڑت ہیں"۔

[1] باقیات فتاویٰ رشیدیہ: مردوں کی روحیں گھروں پر نہیں آتیں، ص: ۴۳۵، دار الکتاب لاہور۔

روایت نمبر (۱۵)

یہ درست ہے کہ مرنے کے بعد روحیں جمع ہوتی ہیں، البتہ مردہ کے خاندان کے لوگوں کا قبر میں مردہ سے مل کر، اسے تسلی دینے کا مضمون بظاہر غلط ہے

"**سوال:** بعد مرنے کے مردہ کے خاندان کے لوگ قبر میں مردہ سے مل کر، اول شب کلمات تسلی کہتے ہیں، یا اس مقام میں ملتے ہیں، جہاں ارواح رہتی ہیں، یا کہیں نہیں ملتے؟

جواب: جمع ہونا ارواح کا ثابت ہے، اور یہ کہ قبر میں آتی ہیں یا کہاں؟ یہ صحیح روایت میں نظر نہیں آیا، اور تسلی کے کلمات بھی بظاہر غلط ہیں، وہاں کس چیز کی تعزیت کریں گے؟ اس کو بخشش کی فرحت ہے اور دوزخی سے کوئی ملتا ہی نہیں"[1]۔

---

[1] باقیات فتاویٰ رشیدیہ: روحوں کا جمع ہونا ثابت ہے، مگر تعزیت صحیح نہیں، ص:۴۳۴، دار الکتاب لاہور۔

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے "مجموع الفتاوی" (۲۴/۲۰۶) میں وضاحت کی ہے کہ ارواح باہم جمع ہوتی ہیں اور نئی آنے والی روح سے دنیا میں موجود لوگوں کے احوال بھی لیتی ہیں، ملاحظہ ہو:

«فصل: وأما قوله: هل تجتمع روحه مع أرواح أهله وأقاربه؟ ففي الحديث عن أبي أيوب الأنصاري وغيره من السلف، ورواه أبو حاتم في الصحيح عن النبي أن الميت إذا عرج بروحه تلقته الأرواح يسألونه عن الأحياء؟ فيقول بعضهم لبعض: دعوه حتى يستريح، فيقولون له: ما فعل فلان؟ فيقول عمل عمل صلاح، فيقولون: ما فعل فلان؟ فيقول ألم يقدم عليكم؟ فيقولون: لا، فيقولون: ذهب به إلى الهاوية.

ولما كانت أعمال الأحياء تعرض على الموتى، كان أبو الدرداء يقول: اللّٰهُمَّ إني أعوذ بك أن أعمل عملا أخزى به عند عبد الله بن رواحة. فهذا اجتماعهم عند

قدومه يسألونه فيجيبهم.

وأما استقرارهم فبحسب منازلهم عند الله، فمن كان من المقربين كانت منزلته أعلى من منزلة من كان من أصحاب اليمين، لكن الأعلى ينزل إلى الأسفل والأسفل لا يصعد إلى الأعلى، فيجتمعون إذا شاء الله كما يجتمعون في الدنيا مع تفاوت منازلهم ويتزاورون.

وسواء كانت المدافن متباعدة في الدنيا أو متقاربة، قد تجتمع الأرواح مع تباعد المدافن وقد تفترق مع تقارب المدافن، يدفن المؤمن عند الكافر، وروح هذا في الجنة وروح هذا في النار، والرجلان يكونان جالسين أو نائمين في موضع واحد، وقلب هذا ينعم وقلب هذا يعذب، وليس بين الروحين اتصال، فالأرواح كما قال النبي ﷺ: جنود مجندة، فما تعارف منها ائتلف وما تناكر منها اختلف...».

حافظ ابن قیم الجوزیہ رحمۃ اللہ علیہ "الروح" (ص:۱۷) میں لکھتے ہیں کہ عذاب میں مبتلا روحیں اپنے عذاب میں ہوں گی، انھیں ملاقات سے کوئی سروکار نہ ہوگا، البتہ انعام یافتہ روحیں نئی آنے والی روحوں سے حالات لیں گی، نیز ہر روح اپنے عمل کے موافق روحوں کے ساتھ ہوگی، عبارت ملاحظہ ہو:

«المسألة الثانية، وهي أن أرواح الموتى هل تتلاقى وتتزاور وتتذاكر أم لا؟

وهي أيضا مسألة شريفة كبيرة القدر، وجوابها أن الأرواح قسمان: أرواح معذبة وأرواح منعمة، فالمعذبة في شغل بما هي فيه من العذاب عن التزاور والتلاقي، والأرواح المنعمة المرسلة غير المحبوسة تتلاقى وتتزاور وتتذاكر ما كان منها في الدنيا وما يكون من أهل الدنيا، فتكون كل روح مع رفيقها الذي هو على مثل عملها، وروح نبينا محمد في الرفيق الأعلى، قال الله تعالى: ومن يطع الله والرسول فأولئك مع الذين أنعم الله عليهم من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين وحسن أولئك رفيقا. وهذه المعية ثابتة في الدنيا وفي الدار البرزخ وفي دار الجزاء، والمرء مع من أحب في هذه الدور الثلاثة...».

حافظ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ نے "اہوال القبور" (ص:۲۵) میں "ارواح کے باہم ملاقات اور سوال وجواب"

روایت نمبر (۱۶)

”حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے اقرار نامہ لکھا تھا کہ تازندگی یزید کو ولی عہد نہ کروں گا“، یہ بات واہی ہے

”**سوال:** جب کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے اقرار نامہ لکھا تھا کہ تازندگی یزید پلید کو ولی عہد نہ کروں گا، پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے قول سے کیوں پھر گئے اور یزید پلید کو کیوں ولی عہد کیا، صحابی سے اقرار توڑنا بعید معلوم ہوتا ہے، قمار باز اور شراب خور یزید پہلے ہی سے تھا ولی عہدی کے وقت نہ تھا، مفصل صحیح کس طور پر ہے؟

جواب: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کوئی وعدہ عہد یزید کو خلیفہ کرنے کا نہیں کیا، یہ واہیات وقائع [خبریں] ہیں فقط، یزید اول صالح تھا بعد خلافت کے خراب ہوا تھا“۔[۱]

*****

کا عنوان قائم کر کے اس کے دلائل لکھے ہیں۔

[۱] تالیفات رشیدیہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا، وعدہ حسین رضی اللہ عنہ سے ص: ۲۴۲، ادارہ اسلامیات لاہور۔

روایت نمبر ⑰
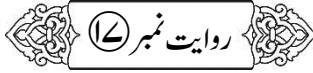
”شِمُر قاتل امام حسین رضی اللہ عنہ بڑا حافظ قرآن تھا۔۔۔“، یہ ڈھکوسلا جہال واعظین کا ہے

”**سوال:** وعظ میں سنا ہے کہ شِمُر قاتلِ امام حسین رضی اللہ عنہ بڑا حافظ قرآن تھا، بروقت قتل کرنے امام ہمام کے، نوسیپارہ ذرا دیر میں پڑھ لئے تھے، یہ سچ ہے یا غلط ہے؟

جواب: یہ قصہ ڈھکوسلا، جہال واعظین کا ہے“[1]۔

******

[1] تالیفات رشیدیہ: کیا شمر حافظ قرآن تھا، ص: ۲۴۲، ادارہ اسلامیات لاہور۔

روایت نمبر (۱۸)

"غدیر کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد «من كنت مولاه فعلي مولاه» پر ایک منافق کی ناگواری اور آسمان سے اس پر پتھر کا برسنا"، پتھر گرنے کا قصہ واہی موضوع ہے

"**سؤال:** ۔۔۔ یا روز غدیر [کتاب میں اسی طرح ہے] کے بعد جب سب لوگ اقرار وعہد کر چکے ولایت جنابِ امیر رضی اللہ عنہ کا [یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا]، تو ایک منافق پر، کہ ظاہراً اسے حاکم ہونا حضرت رضی اللہ عنہ کا، ناگوار ہوا، آسمان سے پتھر گرا، تفسیرِ ثعلبی میں دیکھ لو، پس اخطب خوارزم نے لکھا ہے کہ جب جبرائیل علیہ السلام نے حکم دیا کہ علی کو سب لوگ امیر المؤمنین کہا کریں کوئی نام نہ لے، تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا اور اپنی طرف سے حکم نہ دیا۔۔۔"۔

جواب: اور شیعہ جو حصرِ مطلق کا دعوی کرتے ہیں تو لازم ہے کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے بعد بھی کوئی امام حق نہ ہو سکے، کیونکہ جب حصرِ حقیقی ہوا تو اول اور آخر یکساں ہوگا، عقل درکار ہے، ایسی ہی روایت پتھر گرنے کی واہی موضوع ہے، اور اخطب خوارزم زیدی غالی کذاب ہے [1]، اس کی روایت لکھنی بھی (الزام اہل سنت میں)

---

[1] حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے "منہاج السنہ" میں جابجا اس اخطب خوارزم کی تالیفات میں من گھڑت روایات کی تصریح کی ہے، جیسے:

«والجواب أن أخطب خوارزم هذا له مصنف في هذا الباب فيه من الأحاديث المكذوبة ما لا يخفى كذبه على من له أدنى معرفة بالحديث فضلا عن علماء الحديث، وليس هو من علماء الحديث ولا ممن يرجع إليه في هذا الشأن ألبتة» (٥/ ٤١).

[اصل میں اسی طرح ہے] جہالت ہے"[1]۔

«وكذلك رواية خطيب خوارزم [كذا في الأصل] فإن في روايته من الأكاذيب المختلقة ما هو من أقبح الموضوعات باتفاق أهل العلم» (٧ /٤٠١).

[1] تالیفات رشیدیہ: سوال چہارم، جواب سوال چہارم، ص: ۵۶۹-۵۷۴، ادارہ اسلامیات لاہور۔

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے "منہاج السنہ" (۷ / ۳۲) میں بہت تفصیل سے اس پتھر والے واقعہ کے من گھڑت، باطل ہونے کے دلائل ذکر کئے ہیں، یہ دلائل مختلف جہات سے بہت سے علمی فوائد سے لبریز ہے، ملاحظہ فرمائیں:

«**والجواب من وجوه:**

أحدها: أن هذا أعظم كذبا و فرية من الأول كما سنبينه إن شاء الله تعالى، وقوله: اتفقوا على نزولها في علي، أعظم كذبا مما قاله في تلك الآية، فلم يقل: لا هذا ولا ذاك أحد من العلماء الذين يدرون ما يقولون، وأما ما يرويه أبو نعيم في الحلية أو في فضائل الخلفاء و النقاش و الثعلبي و الواحدي و نحوهم في التفسير فقد اتفق أهل المعرفة بالحديث على أن فيما يروونه كثيرا من الكذب الموضوع، واتفقوا على أن هذا الحديث المذكور الذي رواه الثعلبي في تفسيره هو من الموضوع، وسنبين أدلة يعرف بها أنه موضوع، و ليس الثعلبي من أهل العلم بالحديث، ولكن المقصود هنا أنا نذكر قاعدة.

فنقول: المنقولات فيها كثير من الصدق وكثير من الكذب، والمرجع في التمييز بين هذا وهذا إلى أهل علم الحديث، كما نرجع إلى النحاة في الفرق بين نحو العرب ونحو غير العرب، ونرجع إلى علماء اللغة فيما هو من اللغة وما ليس من اللغة، وكذلك علماء الشعر والطب وغير ذلك، فلكل علم رجال يعرفون به، والعلماء بالحديث أجل هؤلاء قدرا وأعظمهم صدقا وأعلاهم منزلة وأكثر دينا، وهم من أعظم الناس صدقا وأمانة وعلما وخبرة فيما يذكرونه عن الجرح والتعديل، مثل مالك وشعبة وسفيان ويحيى بن سعيد وعبد الرحمن بن المهدي وابن المبارك ووكيع والشافعي وأحمد وإسحاق بن راهويه وأبي عبيد وابن معين وابن المديني والبخاري

ومسلم وأبي داود وأبي زرعة وأبي حاتم والنسائي والعجلي وأبي أحمد بن عدي وأبي حاتم البستي والدار قطني وأمثال هؤلاء خلق كثير لا يحصى عددهم من أهل العلم بالرجال والجرح والتعديل، وإن كان بعضهم أعلم بذلك من بعض وبعضهم أعدل من بعض في وزن كلامه، كما أن الناس في سائر العلوم كذلك، وقد صنف للناس كتبا في نقلة الأخبار كبارا وصغارا مثل الطبقات لابن سعد وتاريخي البخاري والكتب المنقولة عن أحمد بن حنبل ويحي بن معين وغيرهما، وقبلها عن يحي بن سعيد القطان وغيره، وكتاب يعقوب بن سفيان وابن أبي خيثمة وابن أبي حاتم وكتاب بن عدي وكتب أبي حازم وأمثال ذلك، وصنفت كتب الحديث تارة على المسانيد فتذكر ما أسنده الصاحب عن رسول الله ﷺ كمسند أحمد وإسحاق وأبي داود الطيالسي وأبي بكر بن أبي شيبة ومحمد بن أبي عمر والعدني وأحمد بن منيع وأبي يعلى الموصلي وأبي بكر البزار البصري وغيرهم، وتارة على الأبواب، فمنهم من قصد مقصده الصحيح كالبخاري ومسلم وابن خزيمة وأبي حاتم وغيرهم، وكذلك من خرج على الصحيحين كإلاسماعيلي والبرقاني وأبي نعيم وغيرهم، ومنهم من خرج أحاديث السنن كأبي داود والنسائي وابن ماجة وغيرهم، ومنهم من خرج الجامع الذي يذكر فيه الفضائل وغيرها كالترمذي وغيره، وهذا علم عظيم من أعظم علوم الإسلام.

ولا ريب أن الرافضة أقل معرفة بهذا الباب، وليس في أهل الأهواء والبدع أجهل منهم به، فإن سائر أهل الأهواء كالمعتزلة و الخوارج مقصورون في معرفة هذا، ولكن المعتزلة أعلم بكثير من الخوارج والخوارج أعلم بكثير من الرافضة، والخوارج أصدق من الرافضة و أدين وأورع، بل الخوارج لا نعرف عنهم أنهم يتعمدون الكذب بل هم من أصدق الناس، والمعتزلة مثل سائر الطوائف فيهم من يكذب وفيهم من يصدق، لكن ليس لهم من العناية بالحديث و معرفته ما لأهل الحديث والسنة، فإن هؤلاء يتدينون به فيحتاجون إلى أن يعرفوا ما هو الصدق، وأهل البدع سلكوا طريقا آخر ابتدعوها اعتمدوا عليها ولا يذكرون الحديث بل ولا القرآن في أصولهم للاعتضاد لا للاعتماد.

والرافضة أقل معرفة وعناية بهذا إذ كانوا لا ينظرون في الإسناد ولا في سائر الأدلة الشرعية والعقلية هل توافق ذلك أو تخالفه، ولهذا لا يوجد لهم أسانيد متصلة صحيحة قط، بل كل إسناد متصل لهم فلا بد من أن يكون فيه من هو معروف بالكذب أو كثرة الغلط، وهم في ذلك شبيه باليهود والنصارى فإنه ليس لهم إسناد، والإسناد من خصائص هذه الأمة، وهو من خصائص الإسلام، ثم هو في الإسلام من خصائص أهل السنة، والرافضة من أقل الناس عناية إذ كانوا لا يصدقون إلا بما يوافق أهواءهم، وعلامة كذبه أنه يخالف هواهم، ولهذا قال عبد الرحمن بن مهدي: أهل العلم يكتبون ما لهم وما عليهم، وأهل الأهواء لا يكتبون إلا ما لهم، ثم إن أولهم كانوا كثيري الكذب فانتقلت أحاديثهم إلى قوم لا يعرفون الصحيح من السقيم، فلم يمكنهم التمييز إلا بتصديق الجميع أو تكذيب الجميع، والاستدلال على ذلك بدليل منفصل غير الإسناد.

فيقال ما يرويه مثل أبي نعيم والثعلبي والنقاش وغيرهم أتقبلونه مطلقا أم تردونه مطلقا أم تقبلونه إذا كان لكم لا عليكم وتردونه إذ كان عليكم؟ فإن تقبلوه مطلقا ففي ذلك أحاديث كثيره في فضائل أبي بكر وعمر وعثمان تناقض قولكم، وقد روى أبو نعيم في أول الحلية في فضائل الصحابة وفي كتاب مناقب أبي بكر وعمر وعثمان وعلي أحاديث بعضها صحيحة وبعضها ضعيفة بل منكرة، وكان رجلا عالما بالحديث فيما ينقله، لكن هو وأمثاله يروون ما في الباب لا يعرف أنه روى كالمفسر الذي ينقل أقوال الناس في التفسير والفقيه الذي يذكر الأقوال في الفقه والمصنف الذي يذكر حجج الناس ليذكر ما ذكروه، وإن كان كثير من ذلك لا يعتقد صحته بل يعتقد ضعفه لأنه يقول: أنا نقلت ما ذكر غيري فالعهدة على القائل لا على الناقل، وهكذا كثير ممن صنف في فضائل العبادات وفضائل الأوقات وغير ذلك يذكرون أحاديث كثيرة وهي ضعيفة بل موضوعة باتفاق أهل العلم،كما يذكرون أحاديث في فضل صوم رجب كلها ضعيفة بل موضوعة عند أهل العلم، ويذكرون صلاة الرغائب في أول ليلة جمعة منه، و ألفية نصف شعبان، و كما يذكرون في فضائل عاشوراء ما ورد من التوسعة على العيال

وفضائل المصافحة والحناء و الخضاب والاغتسال ونحو ذلك ويذكرون فيها صلاة، وكل هذا كذب على رسول الله صلى الله عليه و سلم لم يصح في عاشوراء إلا فضل صيامه، قال حرب الكرماني: قلت لأحمد بن حنبل الحديث الذي يروى من وسع على عياله يوم عاشوراء وسع الله عليه سائر سنته، فقال: لا أصل له. وقد صنف في فضائل الصحابة: علي وغيره غير واحد مثل خيثمة بن سليمان الأطرابلسي وغيره، وهذا قبل أبي نعيم يروي عنه إجازة وهذا وأمثاله جروا على العادة المعروفة لأمثالهم ممن يصنف في الأبواب أنه يروي ما سمعه في هذا الباب.

وهكذا المصنفون في التواريخ مثل تاريخ دمشق لابن عساكر وغيره إذا ذكر ترجمة واحد من الخلفاء الأربعة أو غيره يذكر كل ما رواه في ذلك الباب، فيذكر لعلي ومعاوية من الأحاديث المروية في فضلهما ما يعرف أهل العلم بالحديث أنه كذب، و لكن لعلي من الفضائل الثابتة في الصحيحين وغيرهما، ومعاوية ليست له بخصوصه فضيلة في الصحيح، لكن قد شهد مع رسول الله ﷺ حنينا والطائف وتبوك وحج معه حجة الوداع وكان يكتب الوحي، فهو ممن ائتمنه النبيﷺ على كتابة الوحي كما ائتمن غيره من الصحابة، فإذا كان المخالف يقبل كل ما رواه هؤلاء وأمثالهم في كتبهم فقد رووا أشياء كثيرة تناقض مذهبهم، وإن كان يرد الجميع بطل احتجاجه بمجرد عزوه الحديث بدون المذهب إليهم، وإن قال: أقبل ما يوافق مذهبي وأرد ما يخالفه أمكن منازعه أن يقول له مثل هذا، وكلاهما باطل لا يجوز أن يحتج على صحة مذهب بمثل هذا، فإنه يقال: إن كنت إنما عرفت صحة هذا الحديث بدون المذهب فاذكر ما يدل على صحته، وإن كنت إنما عرفت صحته لأنه يوافق المذهب امتنع تصحيح الحديث بالمذهب لأنه يكون حينئذ صحة المذهب موقوفة على صحة الحديث وصحة الحديث موقوفة على صحة المذهب فيلزم الدور الممتنع.

الوجه الثاني: أن نقول في نفس هذا الحديث ما يدل على أنه كذب من وجوه كثيرة: فإن فيه أن رسول الله ﷺ لما كان بغدير يدعى خما نادى الناس فاجتمعوا فأخذ بيدي علي وقال: من كنت مولاه فعلي مولاه، وأن هذا قد شاع وطار بالبلاد وبلغ

ذلك الحارث بن النعمان الفهري وأنه أتى النبي ﷺ على ناقته وهو في الأبطح وأتى وهو في ملأ من الصحابه، فذكر أنهم امتثلوا أمره بالشهادتين والصلاة والزكاة والصيام والحج ثم قال: ألم ترض بهذا حتى رفعت بضَبْعَيْ ابن عمك تفضله علينا؟ وقلت: من كنت مولاه فعلي مولاه، وهذا منك أم من الله؟ فقال النبي ﷺ: هو من أمر الله، فولى الحارث بن النعمان يريد راحلته وهو يقول: أللّٰهُمَّ! إن كان هذا هو الحق من عندك فأمطر علينا حجارة من السماء أوائتنا بعذاب أليم. فما وصل إليها حتى رماه الله بحجر فسقط على هامته وخرج من دبره فقتله، وأنزل الله: سأل سائل بعذاب واقع للكافرين الآية.

فيقال لهؤلاء الكذابين: أجمع الناس كلهم على أن ما قاله النبي ﷺ بغدير خم كان مرجعه من حجة الوداع، والشيعة تسلم هذا و تجعل ذلك اليوم عيدا وهو اليوم الثامن عشر من ذي الحجة، والنبي صلى الله عليه وسلم لم يرجع إلى مكة بعد ذلك بل رجع من حجة الوداع إلى المدينة وعاش تمام ذي الحجة والمحرم وصفر وتوفي في أول ربيع الأول، وفي هذا الحديث يذكر أنه بعد أن قال هذا بغدير خم وشاع في البلاد جاءه الحارث وهو بالأبطح والأبطح بمكة، فهذا كذب جاهل لم يعلم متى كانت قصة غدير خم، وأيضا فإن هذه السورة سورة سأل سائل مكية باتفاق أهل العلم نزلت بمكة قبل الهجرة، فهذه نزلت قبل غدير خم قبل بعشر سنين أو أكثر من ذلك فكيف تكون نزلت بعده؟ وأيضا قوله: وإذ قالوا اللّٰهُمَّ إن كان هذا هو الحق من عندك في (سورة الأنفال). وقد نزلت عقيب بدر بالاتفاق قبل غدير خم بسنين كثيرة، وأهل التفسير متفقون على أنها نزلت بسبب ما قاله المشركون للنبي ﷺ قبل الهجرة كأبي جهل وأمثاله، وأن الله ذكر نبيه بما كانوا يقولونه بقوله: وإذ قالوا الله إن كان هذا هو الحق من عندك فأمطر علينا حجارة من السماء أي: أذكر قولهم كقوله: وإذ قال ربك للملائكة وإذ غدوت من أهلك ونحو ذلك يأمره بأن يذكر كل ما تقدم، فدل على أن هذا القول كان قبل نزول هذه السورة، وأيضا فإنهم لما استفتحوا بيّن الله أنه لا ينزل عليهم العذاب ومحمد ﷺ فيهم فقال: وإذ قالوا اللّٰهُمَّ إن كان هذا هو الحق من عندك فأمطر علينا حجارة من

السماء أو ائتنا بعذاب أليم، ثم قال الله تعالى: وما كان الله ليعذبهم وأنت فيهم وما كان الله معذبهم وهم يستغفرون. واتفق الناس على أن أهل مكة لم تنزل عليهم حجارة من السماء لما قالوا ذلك، فلو كان هذا آية لكان من جنس آية أصحاب الفيل ومثل هذا مما تتوفر الهمم والدواعي على نقله، ولو أن الناقل طائفة من أهل العلم فلما كان هذا لا يرويه أحد من المصنفين في العلم لا المسند ولا الصحيح ولا الفضائل ولا التفسير ولا السير ونحوها إلا ما يروى بمثل هذا الإسناد المنكر علم أنه كذب وباطل، وأيضا فقد ذكر في هذا الحديث أن هذا القائل أمر بمباني الإسلام الخمس، وعلى هذا فقد كان مسلما فإنه قال فقبلناه منك، ومن المعلوم بالضرورة أن أحدا من المسلمين على عهد النبي ﷺ لم يصبه هذا، وأيضا فهذا الرجل لا يعرف في الصحابة بل هو من جنس الأسماء التي يذكرها الطرقية من جنس الأحاديث التي في سيرة عنترة ودلهمة، وقد صنف الناس كتبا كثيرة في أسماء الصحابة الذين ذكروا في شيء من الحديث حتى في الأحاديث الضعيفة مثل كتاب الاستيعاب لابن عبد البر وكتاب ابن منده وأبي نعيم الأصبهاني والحافظ أبي موسى ونحو ذلك، ولم يذكر أحد منهم هذا الرجل فعلم أنه ليس له ذكر في شيء من الروايات فإن هؤلاء لا يذكرون إلا ما رواه أهل العلم، لا يذكرون أحاديث الطرقية مثل تنقلات الأنوار للبكري الكذاب و غيره.

الوجه الثالث: أن يقال أنتم ادعيتم أنكم أثبتم إمامته بالقرآن، والقران ليس في ظاهره ما يدل على ذلك أصلا، فانه قال: بلغ ما أنزل إليك من ربك. و هذا اللفظ عام في جميع ما أنزل إليه من ربه لا يدل على شيء معين، فدعوى المدعى أن إمامة علي هي مما بلغها أو مما أمر بتبليغها لا تثبت بمجرد القرآن، فإن القرآن ليس فيه دلالة على شيء معين فإن ثبت ذلك بالنقل كان ذلك إثباتا بالخبر لا بالقرآن، فمن ادعى أن القرآن يدل على أن إمارة علي مما أمر بتبليغه فقد افترى على القرآن فالقرآن لا يدل على ذلك عموما و لا خصوصا.

الوجه الرابع: أن يقال هذه الآية مع ما علم من أحوال النبي ﷺ تدل على نقيض ما ذكروه، وهو أن الله لم ينزلها عليه و لم يأمره بها فأنها لو كانت مما أمره الله بتبليغه

لبلغه فانه لا يعصي الله في ذلك، و لهذا قالت عائشة رضي الله عنها: من زعم أن محمدا كتم شيئا من الوحي فقد كذب، والله تعالى يقول: يا أيها الرسول بلغ ما أنزل إليك من ربك وإن لم تفعل فما بلغت رسالته، لكن أهل العلم يعلمون بالاضطرار أن النبي صلى الله عليه وسلم لم يبلغ شيئا من إمامة علي، ولهم على هذا طرق كثيرة يثبتون بها هذا العلم، منها أن هذا مما تتوفر الهمم والدواعي على نقله، فلو كان له أصل لنقل كما نقل أمثاله من حديثه لا سيما مع كثرة ما ينقل من فضائل علي من الكذب الذي لا أصل له، فكيف لا ينقل الحق الصدق الذي قد بلغ للناس، ولأن النبي صلى الله عليه وسلم أمر أمته بتبليغ ما سمعوا منه فلا يجوز عليهم كتمان ما أمرهم الله بتبليغه، ومنها أن النبي صلى الله عليه وسلم لما مات وطلب بعض الأنصار ان يكون منهم أمير ومن المهاجرين أمير فأنكر ذلك عليه وقالوا: الإمارة لا تكون إلا في قريش، وروى الصحابة في مواطن متفرقة الأحاديث عن النبي صلى الله عليه وسلم في أن الإمامة في قريش ولم يرو واحد منهم لا في ذلك المجلس ولا غيره ما يدل على إمامة علي، وبايع المسلمون أبا بكر وكان أكثر بني عبد مناف من بني أمية و بني هاشم وغيرهم لهم ميل قوي إلى علي بن أبي طالب يختارون ولايته ولم يذكر أحد منهم هذا النص، وهكذا أجري الأمر في عهد عمر وعثمان، وفي عهده أيضا لما صارت له ولاية ولم يذكر هو ولا أحد من أهل بيته ولا من الصحابة المعروفين هذا النص، وإنما ظهر هذا النص بعد ذلك، وأهل العلم بالحديث والسنة الذين يتولون عليا ويحبونه ويقولون: إنه كان الخليفة بعد عثمان كأحمد بن حنبل وغيره من الأئمة قد نازعهم في ذلك طوائف من أهل العلم وغيرهم وقالوا: كان زمانه زمان فتنة واختلاف بين الأمة لم تتفق الأمة فيه لا عليه ولا على غيره.

وقال طوائف من الناس كالكرامية: بل هو كان إماما ومعاوية إماما، وجوزوا أن يكون للناس إمامان للحاجة، وهكذا قالوا في زمن ابن الزبير ويزيد حيث لم يجدوا الناس اتفقوا على إمام، وأحمد بن حنبل مع أنه أعلم أهل زمانه بالحديث احتج على إمامة علي بالحديث الذي في السنن تكون خلافة النبوة ثلاثين سنة ثم تصير ملكا، وبعض الناس ضعف هذا الحديث لكن أحمد وغيره يثبتونه، فهذا

روایت نمبر (۱۹)

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا امامِ ثالث (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) کو نعثل [بے وقوف بڈھا] کہتی تھیں اور لعنت کرتی تھیں“، معاذ اللہ یہ روافض کا محض طوفانِ بہتان ہے، اہلِ سنت کی کسی کتاب میں یہ بات نہیں

”**سوال:** ۔۔۔ مگر یہ بتاؤ کہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کس کو امام پہچان کر دنیا سے گئیں کہ وہ تو تیسرے خلیفہ کو نعثل کہا کیں [اصل میں اسی طرح ہے]، اور لعنت کیا کیں [اصل میں اسی طرح ہے]، اور چوتھے سے لڑیں۔۔۔“۔

عمدتهم من النصوص على خلافة علي، فلو ظفروا بحديث مسند أو مرسل موافق لهذا لفرحوا به فعلم أن ما تدعيه الرافضة من النص هو مما لم يسمعه أحد من أهل العلم بأقوال الرسول ﷺ لا قديما ولا حديثا، ولهذا كان أهل العلم بالحديث يعلمون بالضرورة كذب هذا النقل كما ليعلمون كذب غيره من المنقولات المكذوبة، وقد جرى تحكيم الحكمين ومعه أكثر الناس فلم يكن في المسلمين من أصحابه ولا غيرهم من ذكر هذا النص مع كثرة شيعته ولا فيهم من احتج به في مثل هذا المقام الذي تتوفر فيه الهمم والدواعي على إظهار مثل هذا النص، ومعلوم أنه لو كان النص معروفا عند شيعة علي فضلا عن غيرهم لكانت العادة المعروفة تقتضي أن يقول أحدهم هذا نص رسول الله ﷺ على خلافته فيجب تقديمه على معاوية، وأبو موسى نفسه كان من خيار المسلمين لو علم أن النبي ﷺ نص عليه لم يستحل عزله، ولو عزله لكان من أنكر عزله عليه يقول كيف تعزل من نص النبي ﷺ على خلافته وقد احتجوا بقوله ﷺ: تقتل عمارا الفئة الباغية، وهذا الحديث خبر واحد أو اثنين أو ثلاثة ونحوهم وليس هذا متواترا والنص عند القائلين به متواتر، فيا لله العجب! كيف ساغ عند الناس احتجاج شيعة علي بذلك الحديث ولم يحتج أحد منهم بالنص».

جواب: ''۔۔۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی ذی النورین کو امام جانا، اور یہ جو سائل لکھتا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا امامِ ثالث کو نعثل [بے وقوف بڈھا] کہتی تھیں اور لعنت کرتی تھیں، معاذ اللہ یہ محض طوفانِ بہتان ہے روافض کا، اہلِ سنت کی کسی کتاب میں یہ بات نہیں، امام کے ساتھ گستاخی ہمارے مذہب میں حرام ہے، البتہ شیعہ کے یہاں یہ عین دین ہے کہ اپنے ائمہ کو سب کچھ بنا رکھا ہے، صریح زبان پر لانے سے رُواں [بال] کھڑا ہوتا ہے، اور کوئی اہل عقل باور [یقین] کر سکتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا امامِ ثالث کو لعنت کیا کریں، اور پھر اپنے بھائی سے ہی ان کا قصاص طلب کریں، یہ خبر پاکر کہ قاتلِ خلیفہ میرا بھائی ہے [1]، اور بابت طلبِ قصاص اس قدر تکالیف اٹھائیں، یہ بات خوش ہونے کی ہوتی [اصل میں اسی طرح ہے]، مگر یہ خیالات فاسدہ مجانین وحمقا کے ہیں کہ جن کے اصولِ دین ہی تخیلات پر مبنی ہیں'' [2]۔

---

[1] حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو محمد بن ابو بکر کے علاوہ کسی اور نے شہید کیا ہے، (البدایہ والنہایہ: ۱۰/ ۳۰۸)، عبارت یہ ہے:

«ويروى أن محمد بن أبي بكر طعنه بمشاقِص في أذنه حتى دخلت في حلقه، والصحيح أن الذي فعل ذلك غيره وأنه استحيي ورجع حين قال له عثمان: لقد أخذت بلحية كان أبوك يكرمها. فتذمم من ذلك وغطى وجهه ورجع وجاحف دونه فلم يُفِد، وكان أمر الله قدرا مقدورا وكان ذلك في الكتاب مسطورا».

[2] تالیفات رشیدیہ: سوال ششم، جواب سوال ششم، ص: ۵۷۹ - ۵۸۱، ادارہ اسلامیات لاہور۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے ''روح المعانی'' (۲۲/ ۱۱) میں اس حکایت کو باطل، بے اصل کہا ہے، حکایت کی سند والفاظ امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کی ''تاریخ الرسل والملوک'' (۴/ ۴۵۹) میں موجود ہیں، ملاحظہ ہو:

«كتب إلي علي بن أحمد بن الحسن العجلي أن الحسين بن نصر العطار قال: حدثنا أبي نصر بن مزاحم العطار، قال: حدثنا سيف بن عمر، عن محمد بن نُويرة

وطلحة بن الأعلم الحنفي، قال: وحدثنا عمر بن سعد عن أسد بن عبدالله عمن أدرك من أهل العلم أن عائشة رضي الله عنها لما انتهت إلى سَرِف راجعة في طريقها إلى مكة لقيها عبد بن أم كلاب -وهو عبد بن أبي سلمة ينسب إلى أمه - فقالت له: مَهْيَم؟ قال: قتلوا عثمان رضي الله عنه فمكثوا ثمانيا، قالت ثم صنعوا ماذا؟ قال أخذها أهل المدينة بالاجتماع فجازت بهم الأمور إلى خير مجاز اجتمعوا على علي بن أبي طالب، فقالت: والله ليت أن هذه انطبقت على هذه إن تم الأمر لصاحبك! ردوني ردوني، فانصرفت إلى مكة وهي تقول: قُتِل والله عثمان مظلوما، والله لأطلبن بدمه، فقال لها ابن ام كلاب: ولم؟ فوالله إن أول من أمال حرفه لأنت، ولقد كنت تقولين اقتلوا نعثلا فقد كفر، قالت: إنهم استتابوه ثم قتلوه، وقد قلت وقالوا، وقولي الأخير خير من قولي الأول، فقال لها ابن ام كلاب:

فمنك البِداء ومنك الغِيَرْ ومنك الرِياح ومنك المَطَرْ

وأنتِ أمرتِ بقتل الإمام وقلتِ لنا إنه قد كَفَر

فَهَبْنَا أطعناكِ في قتله وقاتله عندنا من أمَر

ولم يسقط السَقْفُ من فوقنا ولم تنكسف شمسُنا والقمر

وقد بايع الناس ذا تُدْرَإ يزيل الشَبَا ويقيم الصَعَر

ويلبس للحرب أثوابها وما مَنْ وَفَى مثل مَنْ قد غَدَر

فانصرفت إلى مكة، فنزلت على باب المسجد فقصدت للحجر فسترت واجتمع إليها الناس فقالت: يا أيها الناس! إن عثمان قتل مظلوما ووالله لأطلبن بدمه....»۔

سند میں موجود نصر بن مزاحم کوفی کو حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے "جلد رافضی ترکوہ" (کٹر رافضی، محدثین نے اسے ترک کر دیا تھا) کہا ہے (میزان:۴/۲۵۳)۔
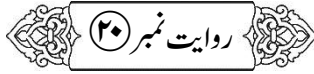
روایت نمبر (۲۰)

”حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اجازت کے بغیر کوئی صراط پر سے نہ گزرے گا، نیز قبر میں سب سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کا سوال کیا جائے گا“، یہ روافض کی روایات ہیں

”سوال: ۔۔۔ایسی صورت میں مقابلہ نفسِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے جس کی ایذا رسول کی ایذا ہے، اور اس کی بغیر اجازت صراط پر سے کوئی نہ گزرے گا کہ فصل خطاب میں حضرت شیخ اول سے منقول ہے، اور قبر میں سب سے ان کی امامت کا سوال کیا جائے گا، اور سدی، آپ کا عالم، ”سورۂ عَمَّ یَتَسَآلُونَ“ کی تفسیر میں لکھتا ہے، دیکھو تو ایسے شخص کے منکر کس کو امام بنائیں گے؟ پس ایسے کی مخالفت اور مقابلہ کو آپس کی بات کہیں گے، اور بالفرض اگر یہی ہے تو اسی پر ثابت رہو، کفارِ قریش مثل ابولہب وغیرہ سے جو پیغمبر کو اَزَار [اصل میں اسی طرح ہے، بمعنی تکلیف] پہنچے قابلِ معاف جانور یا قاتلِ حضرت ہابیل کو ملامت نہ کرو۔۔۔“۔

جواب: ”۔۔۔ اور روایات سائل کی عبورِ صراط پر سے موقوف اجازت حضرت امیر رضی اللہ عنہ پر ہے[1]، اور قبر میں سوالِ امامت حضرت امیر رضی اللہ عنہ کا

---

[1] حافظ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (دیکھئے لآلی المصنوعہ:۱/۳۴۷)، نیز حافظ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے ”کتاب الموضوعات“ (۱/۳۹۹) میں، حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ”میزان الاعتدال“ (۱/۲۸) میں، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ”لآلی المصنوعہ“ (۱/۳۴۷) میں، علامہ ابن عراق رحمۃ اللہ علیہ نے ”تنزیہ الشریعہ“ (۱/۳۶۶) میں اور علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے ”الفوائد المجموعہ“ (۲/۴۷۲) میں اس روایت (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اجازت کے بغیر کوئی شخص صراط پر سے نہیں گذر سکے گا) کو باطل، من گھڑت کہا ہے، حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت

ہو گا[۱]، روافض کی روایات ہیں، سدی صغیر رافضی کذاب تھا، اہل سنت پر ان

ملاحظہ ہو: «إبراهيم بن حميد الدينوري. عن ذي النون المصري، عن مالك، بخبر باطل متنه: لم يجز الصراط أحد إلا من كانت معه براءة بولاية علي بن أبي طالب».

[۱] حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے "منہاج السنہ" (۷/۱۴۳) میں اس روایت کو متفق علیہ من گھڑت، جھوٹ قرار دیا ہے، عبارت یہ ہے:

«قال الرافضي: البرهان الرابع عشر. قوله تعالى: وقفوهم إنهم مسؤولون من طريق أبي نعيم عن الشعبي، عن ابن عباس، قال في قوله تعالى: وقفوهم إنهم مسئولون عن ولاية علي. وكذا في كتاب الفردوس عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم. وإذا سئلوا عن الولاية وجب أن تكون ثابتة له، ولم يثبت لغيره من الصحابة ذلك فيكون هو الإمام.

والجواب من وجوه:

أحدها: المطالبة بصحة النقل والعزو إلى الفردوس وإلى أبي نعيم لا تقوم به حجة بإتفاق أهل العلم.

الثاني: أن هذا كذب موضوع بالاتفاق.

الثالث: أن الله تعالى قال: بل عجبت و يسخرون و إذا ذكروا لا يذكرون و إذا رأوا آية يستسخرون وقالوا إن هذا إلا سحر مبين أإذا متنا وكنا ترأبا وعظاما أئنا لمبعوثون أو آباؤنا الأولون قل نعم وأنتم داخرون فإنما هي زجرة واحدة فإذا هم ينظرون وقالوا يا ويلنا هذا يوم الدين هذا يوم الفصل الذي كنتم به تكذبون احشروا الذين ظلموا وأزواجهم وما كانوا يعبدون من دون الله فاهدوهم إلى صراط الجحيم وقفوهم إنهم مسئولون ما لكم لاتناصرون بل هم اليوم مستسلمون وأقبل بعضهم على بعض يتساءلون قالوا إنكم كنتم تأتوننا عن اليمين قالوا بل لم تكونوا مؤمنين وما كان لنا عليكم من سلطان بل كنتم قوما طاغين فحق علينا قول ربنا إنا لذائقون فأغويناكم إنا كنا غاوين فإنهم يومئذ في العذاب مشتركون إنا كذلك نفعل بالمجرمين إنهم كانوا إذا قيل لهم لا إله إلا

روایات سے حجت لانا جہل ہے۔۔۔"[1]۔

*****

الله يستكبرون ويقولون أإنا لتاركوا آلهتنا لشاعر مجنون بل جاء بالحق وصدق المرسلين.

فهذا خطاب عن المشركين المكذبين بيوم الدين، وهؤلاء يسألون عن توحيد الله والإيمان برسله واليوم الآخر، وأي مدخل لحب علي في سؤال هؤلاء؟ تراهم لو أحبوه مع هذا الكفر والشرك أكان ذلك ينفعهم، أو تراهم لو أبغضوه أين كان بغضهم له في بغضهم لأنبياء الله ولكتابه ودينه؟ وما يفسر القرآن بهذا، ويقول: النبي ﷺ فسره بمثل هذا إلا زنديق ملحد متلاعب بالدين قادح في دين الإسلام أو مفرط في الجهل لا يدري ما يقول... ».

[1] تالیفات رشیدیہ: سوال ہفتم، جواب سوال ہفتم، ص:۵۸۶ -۵۹۱، ادارہ اسلامیات لاہور۔
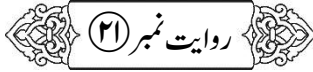
روایت نمبر (۲۱)

”حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غصہ اور ناگواری کی شکایت فرمانا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سے یہ فرمانا کہ اگر علی رضی اللہ عنہ نے تمہیں اس غصہ کی حالت میں طلاق دیدی، تو مشکل پڑ جائے گی“،

یہ کھلا جھوٹ اور ناپاک الزام ہے

”**سوال:** ۔۔۔ ونیز ایں کلام مخالف شرع واجماع امت متوجہ شود، کہ روزے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بخدمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم شکایت غصہ وغضب حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کردند، عتابا فرمود کہ اے فاطمہ رضی اللہ عنہا! چہ می گوئی، اگر علی ترادراں حالت غیضیت وجلالت طلاق دادندے، مشکل واقع گردیدے۔۔۔“۔

ترجمہ: ”۔۔۔ نیز شریعت اور اجماع امت کے خلاف یہ بھی کہتا ہے کہ ایک دن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غصہ اور ناگواری کی شکایت فرمائی، حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسندیدگی کے ساتھ فرمایا: اے فاطمہ رضی اللہ عنہا! کیا کہتی ہو، اگر علی رضی اللہ عنہ نے تمہیں اس غصہ کی حالت میں طلاق دیدی، تو مشکل پڑ جائے گی۔۔۔“۔

جواب: ”۔۔۔اور جو حضرت علی رضی اللہ عنہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دینے کے متعلق روایت نقل کرتے ہیں، وہ کھلا جھوٹ اور ناپاک الزام ہے (اللہ تعالیٰ اس گھڑنے والے پر لعنت فرمائے) اس کو شیعوں نے گھڑا ہے۔۔۔“[1]۔
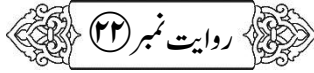
---

[1] باقیات فتاوی رشیدیہ: فضیلت شیخین رضی اللہ عنہم کا منکر رافضی ہے، ص:۱۹ - ۲۲، دار الکتاب لاہور۔

روایت نمبر (۲۲)

”حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اپنے جنازہ کو صندوق میں رکھنے کو فرمانا، اور قبر میں دفن کرنے سے منع کرنا، اور یہ فرمانا کہ اونٹنی پر رکھ دیجیو جہاں چاہے لے جاوے گی“، یہ قصہ غلط ہے، بعد انتقال دفن ہوئے

”**سوال:** حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اپنے جنازہ کو صندوق میں رکھنے کو فرمانا، اور قبر میں دفن کرنے سے منع کرنا، اور یہ فرمانا کہ اونٹنی پر رکھ دیجیو جہاں چاہے لے جاوے گی، صحیح ہے یا غلط؟

جواب: یہ قصہ غلط ہے، بعد انتقال دفن ہوئے“[1]۔

---

[1] باقیات فتاوی رشیدیہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تدفین سے متعلق ایک معروف روایت کی حقیقت، ص: ۲۸، دار الکتاب لاہور۔

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ”مجموع الفتاویٰ“ (۴/۳۰۴) میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب اس وصیت کو جھوٹ قرار دیا ہے، اور کہا ہے کہ اہل علم کے نزدیک یہ معروف ہے کہ ان کی قبر کوفہ ”قصر الامارہ“ میں ہے، عبارت یہ ہے:

«الحمد لله رب العالمين، أما ما ذكر من توصية أمير المؤمنين علي بن أبي طالب رضي الله عنه إذا مات، أُرْكِب فوق دابته وتُسيِّب ويُدْفَن حيث تَبْرُك وأنه فُعِل ذلك به، فهذا كذب مختلق باتفاق أهل العلم، لم يوص علي بشيء من ذلك ولا فعل به شيء من ذلك ولم يذكر هذا أحد من المعروفين بالعلم والعدل، وإنما يقول ذلك من ينقل عن بعض الكذابين، ولا يحل أن يفعل هذا بأحد من موتى المسلمين ولا يحل لأحد أن يوصي بذلك، بل هذا مثلة بالميت ولا فائدة في هذا الفعل، فإنه إن كان المقصود تعمية قبره فلا بد إذا بركت الناقة من أن يحفر له قبر ويدفن فيه، وحينئذ

روایت نمبر (۲۳)

”حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کا اپنی خوش خط آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو، پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ کو، بالآخر اللہ کو دکھانا [معاذ اللہ]“، یہ محض افتراء اور کذب محض ہے، کہیں اس کی اصل نہیں، اس کا واعظ فاسق ہے اس کا وعظ سننا حرام ہے

”سوال: واعظ مرقوم [اس کے حولہ سے اور بھی کئی سوال ہیں، جس میں سے ایک روزہ کے باب میں درج ہے، نور] نے بیان کیا کہ حضرت امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما ایامِ طفولیت میں، بسم اللہ لکھ کر، حضرت رسالت پناہ کے حضور میں لے گئے، اور استفسار کیا کہ نانا جان! دونوں میں سے کون سی خوش خط ہے؟ حضرت علیہ السلام نے فرمایا کہ بیٹا میں کس کو خوشخط بتاؤں اور کس کو بد خط، مجھے تو تم دونوں برابر ہو، اگر

يمكن أن يحفر له قبر ويدفن به بدون هذه المثلة القبيحة، وهو أن يترك ميتا على ظهر دابة تسير في البرية.

وقد تنازع العلماء في موضع قبره، والمعروف عند أهل العلم أنه دفن بقصر الإمارة بالكوفة، وأنه أخفي قبره لئلا ينبشه الخوارج الذين كانوا يكفرونه ويستحلون قتله... ».

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ”البدایہ والنہایہ“ (۲۰/۱۱) میں حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے موافق تفصیل لکھی ہے، ملاحظہ ہو:

«والمقصود أن عليا رضي الله عنه لما مات صلى عليه ابنه الحسن فكبر عليه تسع تكبيرات، ودفن بدار الإمارة بالكوفة خوفا عليه من الخوارج أن ينبشوا عن جثته، هذا هو المشهور، ومن قال إنه حمل على راحلته فذهبت به فلا يدري أين ذهبت فقد أخطأ وتكلف ما لا علم له به، ولا يسيغه عقل ولا شرع، وما يعتقده كثير من جهلة الروافض من أن قبره بمشهد النجف فلا دليل على ذلك ولا أصل له... ».

ایک کو خوشخط بتاؤں گا تو بدخط والا رنجیدہ ہو گا، الغرض آپ نے کچھ جواب نہ دیا، پھر دونوں صاحبزادے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، اور کہا آپ فرمایئے، ان میں سے کون سی اچھی ہے، اور کون سی بری ہے؟ آپ نے کہا کہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بتایا، تو میں کیوں کر بتاؤں؟ غرض اسی طرح بہت سے مقاموں میں گئے، سب نے یہی کہا کہ جب جنابِ رسالت مآب و صدیق عالی صفات نے نہیں بتایا، تو ہم کیوں کر بتاویں، آخر میں حضرت حسنین رضی اللہ عنہما اللہ کے پاس گئے اللہ نے بھی وہی جواب دیا اور کہا کہ جب میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور میرے صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی نہیں بتایا تو میں کیوں کر بتاؤں اور چلتے وقت ایک پر سرخ اور ایک پر سبز نشان کر دیا۔

آیا یہ تینوں باتیں صحیح و درست ہیں؟ مفصل تحریر فرمایئے، اور کیا مسئلہ ثانی کی تفسیر میں کسی مفسر نے یہ تحریر و تفسیر کی ہے اور کیا تیسری روایت [یعنی زیرِ بحث]، سنیوں کی کسی معتبر کتاب میں پائی جاتی ہے یا نہیں؟۔

جواب: یہ قصہ [حضرات] حسنین رضی اللہ عنہما کا محض افتراء اور کذب محض ہے، کہیں اس کی اصل نہیں، اور ایسی حکایاتِ واہیہ بے معنی کرنے والا خر [گدھا، احمق] بے تمیز ہے، اس کا ہر گز وعظ نہ سننا چاہیئے، ایسا واعظ گمراہ کرنے والا ہے اور ایسا وعظ سننا بھی حرام ہے۔

«قال رسول الله ﷺ: من كذب عليّ متعمدا فليتبوأ مقعده من النار».

ترجمہ: جو کوئی جھوٹ بولے مجھ پر جان کر، چاہئے کہ وہ ٹھکانہ کرلیوے اپنا آگ میں (ت۔ن)۔

پس یہ کہانی واہیہ، افتراء علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے، ایسا واعظ فاسق گمراہ کنندہ ہے، اور اس کا وعظ سننا حرام ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم"۔[1]

*****

[1] باقیات فتاویٰ رشیدیہ: حضرت حسنین رضی اللہ عنہما سے منسوب ایک بے حقیقت قصے کا تذکرہ، ص: ۳۰ - ۳۱، دار الکتاب لاہور۔

حکایات (۲۴)

❶ "بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا باری تعالیٰ کے اختیار دینے پر مختلف چیزیں مانگنا اور باری تعالی کا انھیں دینے سے عاجز ہونا" [معاذاللہ]

❷ "عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کا باری تعالیٰ سے روٹھ کر کافر، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منانے پر مسلمان ہونا" [معاذاللہ]

❸ "حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے دونوں پاؤں کے نیچے تلووں میں قرآن مجید لکھا ہوا تھا" [معاذاللہ]

❹ "کلمہ توحید میں دو چیزیں کفر ہیں۔۔۔" [معاذاللہ]

❺ "بت خانے میں باری تعالی کا خاص بندہ" [معاذاللہ]

❻ "ایک چور کی حکایت"

❼ "سید عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ کا اوپر کے ہاتھ سے آسمان اور عصا سے زمین کو تھامنا" [معاذاللہ]

اس وعظ کہنے والے شخص کے کفر میں کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں، اس کا تمام وعظ سراسر جہالت اور گمراہی ہے

"سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے اسلام اس شخص کے حق میں جو علی الاعلان اپنے وعظوں میں مندرجہ ذیل مضامین بیان کرتا ہے، اور اپنے کلام کی کچھ تاویل نہیں کرتا، اور در صورتِ استفتاء [سوال] کے غصہ کرتا ہے، لوگوں کو مرید کرتا ہے، اس کے مریدوں کا بھی یہی حال ہے، اس کے اقوال یہ ہیں:

۱ بعضے وقت صوفی کا علم خدا کے علم پر بھی غالب آجاتا ہے، مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

علم حق با علم صوفی گم شود — ایں سخن کے باورِ مردم شود

اس کی یہ مثال ہے کہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک ٹوپی تھی، اس پر "یا محمد" لکھا ہوا تھا، خدائے عاشق کو اپنے معشوق کے نام کی ٹوپی پسند آگئی، کہا اے بایزید! یہ ٹوپی ہم کو دیدے اور اس کے عوض جو چاہے ہم سے مانگ لے! بایزید نے کہا تیرے پاس کیا رکھا ہے، جو مانگوں؟ خدا تعالیٰ نے اصرار کیا کہ مانگ! بایزید نے رسالت مانگی، خدا نے فرمایا: وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگئی، بایزید: صدیقیت دیدے، خدا: وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر ختم ہوگئی، بایزید: سخاوت، خدا: عثمان رضی اللہ عنہ پر ختم ہوئی، بایزید: شجاعت، خدا: علی رضی اللہ عنہ پر ختم ہوئی، بایزید: شہادت، خدا: امام حسین رضی اللہ عنہ پر ختم ہوئی، کرامت، خدا: پیرانِ پیر پر ختم ہو چکی۔

بایزید نے کہا کہ میں اول ہی کہہ چکا تھا کہ تیرے پاس کچھ نہیں رہا، اب صرف دوزخ اور جنت باقی ہے، خدا تعالیٰ نے کہا کہ ان میں سے ہی کچھ مانگ! کہا تو وہ بھی نہ دے گا، خدا نے کہا کہ میں ضرور دوں گا، بایزید نے دوزخ مانگی، کہا کہ وہ تو میرے دشمنوں کی جگہ ہے، کہا کہ میں تو وہی لوں گا، کہا اچھا دیا، بایزید نے کہا کہ

میں دوزخ کے در پر لاٹھی لیکر بیٹھوں گا، جو اس میں آوے گا اس کی ٹانگ توڑ دوں گا اور اندر نہیں جانے دوں گا، فرمایا ایسا نہیں ہو سکتا، پھر میں دوزخیوں کو کہاں رکھوں گا، کہا بس! تو یہ بھی نہ دے سکا۔

اگر تیرے سوا کوئی اور شخص وعدہ خلافی کرتا تو میں اس کے منافق ہونے کا فتوی دیتا، خدا تعالیٰ نے فرمایا: اگر تو ایسی گستاخی کرے گا، تو میں اپنے بندوں کو مطلع کر دوں گا کہ وہ تیرے ٹکڑے ٹکڑے کر دیویں گے، بایزید نے کہا کہ میں تیرے بندوں کو گمراہ کر دوں گا، وہ تجھ کو کبھی سجدہ نہ کریں گے، پوچھا کس طرح؟ کہا میں ان کو کہہ دوں گا کہ دنیا میں ایک رحمت کا یہ ظہور ہے کہ کسی نافرمان کا نہ رزق بند کیا جاتا ہے، نہ پردہ فاش، قیامت کو ننانوے رحمتوں کا ظہور ہو گا تو کیوں کر کوئی شخص دوزخ میں جاوے گا؟ حق تعالیٰ لا جواب ہو گیا اور کہا اے بایزید! خاموش ہو جا، نہ میں کسی سے کہوں نہ تو کسی سے کہہ، شعر مذکور کے یہی معنی ہیں۔

❷ ایک مال دار عورت نے حضرت عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ میں بے اولاد ہوں مجھ کو اولاد ملے [اصل میں اسی طرح ہے]، آپ نے دعاء کی، خدا تعالیٰ کی طرف سے جواب ملا کہ اس کی قسمت میں اولاد نہیں ہے، آپ نے لوح محفوظ، عرش، کرسی وغیرہ پر دیکھا کہ کسی جگہ اس عورت کی قسمت میں اولاد لکھی ہوئی نہیں تھی، آپ نے عورت کو جواب دے دیا، عورت پیرانِ پیر کے پاس گئی، آپ نے دعاء کی تو وہی جواب آپ کو ملا، آپ نے اصرار کیا، ادھر سے انکار ہوتا رہا، آخر کار آپ نے فرمایا کہ میں نے ایک بیٹا دیا، حق تعالیٰ نے فرمایا: کہ خاموش! کہا دو دیئے، کہا خاموش! کہا کہ میں نے تین دیئے، غرض حق تعالیٰ آپ کو روکتا رہا،

آپ بڑھتے رہے، یہاں تک کہ میں نے سات بیٹے دیئے۔

خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ بس کرو، اس قدر بہت ہیں، اس عورت کے اول لڑکی پیدا ہوئی، آپ نے وہ لڑکا بنا دیا، پھر چھ لڑکے پیدا ہوئے، پورے سات ہو گئے، عورت نے جا کر حضرت عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ قصہ بیان کیا، انہوں نے کہا کہ خدا کیا ہے؟ بڑا ہی دغا باز ہے [معاذ اللہ]، مجھ سے کہا کہ اس کی قسمت میں اولاد نہیں ہے، پھر سید عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ کے کہنے سے اتنی اولاد دے دی، اسی وقت زُنّار [وہ تاگا جو ہندو گلے اور بغل کے درمیان ڈالے رہتے ہیں] پہن کر بت خانے میں جا بیٹھے، چھ ماہ تک بت خانہ کی گھنٹی بجاتے رہے، سب مرید بھاگ گئے، صرف حضرت خواجہ معین الدین چشتی باقی رہے کہ پیر کافر ہے تو میں بھی کافر ہوں، بعد مدت خدا تعالیٰ نے حضرت سرورِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے پاس بھیجے کہ سمجھا کر لاؤ، حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سمجھایا کہ حضرت پیرانِ پیر کی زبان پر وہ سات بیٹے لکھے ہوئے تھے، وہاں آپ نے نہیں دیکھا تھا، یہ خود تمہاری غلطی ہے۔

حضرت عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ مسلمان ہو کر بت خانے سے نکلے، خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ کی پشت، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تھی، حضرت عثمان نے فرمایا کہ پشت ادھر مت کرو، انہوں نے کچھ پرواہ نہ کی، آپ نے مکرر سہ کرّر منع کیا، تو خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ میرے پاس تو ایک ایمان تھا وہ آپ کو دے چکا، اب دوسرے کی طرف کس طرح سے توجہ کروں، خواجہ عثمان اس پر بہت خوش ہوئے اور ان کو خلافت عطا کر دی۔

۳ امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ الواح تھی [اصل میں اسی طرح ہے]، ان پر قرآن مجید لکھا ہوا تھا، آپ ان پر اپنے پاؤں رکھ کر کھڑے ہو گئے، حضرت

جبریل علیہ السلام نے کہا کہ صاحب زادے! قرآن شریف کا ادب کرو، سرورِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جبریل (علیہ السلام) کو ڈانٹا کہ خبر دار! قرآن پر قرآن رکھ دیا، توکیا حرج ہے، پھر صاحب زادے کو ارشاد فرمایا کہ آپ انہیں اپنے پاؤں دکھلایئے، تو دونوں پاؤں کے نیچے تلووں میں قرآن مجید لکھا ہوا تھا۔

۴ کلمہ توحید میں دو چیزیں کفر ہیں، اگر کوئی شخص یہ سمجھے کہ پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا ہے، تو یہ کفر ہے اور جو جانے کہ آپ غیر خدا ہیں، یہ بھی کفر ہے۔

۵ ایک بار جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ خداوندا! مجھ کو اپنا خاص بندہ دکھادے، فرمایا فلاں بت خانے میں جا، آپ گئے دیکھا کہ ایک شخص بت کے اعضاء پر ہاتھ رکھ کر کہتا تھا، خدایا یہ تیرا ناک ہے، یہ تیرا منھ ہے، یہ تیری آنکھیں ہیں، بت سے باہر آواز آتی تھی، "لبيك عبدی" (اے میرے بندے میں حاضر ہوں) حضرت جبریل لاحول پڑھ کر بھاگے، خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ اے جبریل! تو نے اس کے ظاہر کو دیکھا، وہ تو خاص ہم کو پکارتا تھا، ہم ہی جواب دیتے تھے۔

۶ خدا تعالیٰ ہم کو ہرگز عذاب نہ کرے گا، کیونکہ وہ ہم کو رزق دیتا ہے، پالتا ہے، دیکھو لکڑ کو پانی ڈبوتا نہیں ہے، اس واسطے کہ اس کا پَرْوَرْدَہ [پلا ہوا] ہے، ایک چور لوگوں کو دھوکہ دے کر اپنے گھر لے جاتا تھا اور وہاں لے جاکر قتل کر دیتا تھا، اس کا اسباب چھین لیتا تھا، ایک شخص کو لے گیا، اس کو کچھ ضرورت پیش آگئی، مسافر کو چھوڑ کر باہر گیا، اس کی بیوی صالحہ تھی، اس نے کہا کہ میاں مسافر تم کہاں پھنس گئے؟ یہ ظالم تم کو مار ڈالے گا، مسافر نے کہا میں بھوکا ہوں، کچھ کھلاؤ، عورت نے دو روٹیاں دے دیں، اس نے ایک کھائی، ایک باقی تھی، اتنے میں چور

آگیا، کہا تجھ کو یہ روٹی کس نے دی، کہا تمہاری بیوی نے، کہا چلا جا تو نے میری روٹی کھائی ہے، اب میں تجھ کو نہیں مارتا۔

۷ خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے سید عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ ہم کو سماع کی ضرورت ہے، آپ نے فرمایا کہ قوال نہیں ہے، مگر ایک لڑکا قوال کا ہے، وہ بلایا گیا، اس نے کہا کہ مجھ کو گانا نہیں آتا، آپ نے اس کے باپ کی قبر پوچھی، وہ قبر پر لے گیا، (خواجہ صاحب نے) قم بإذني! (یعنی میرے حکم سے اٹھ جا!) کہہ کر اس کو قبر سے باہر نکالا، وہ مع ساز اور باجے کے گاتا بجاتا ہوا قبر سے نکلا، دونوں صاحبوں نے راگ سنا اور وجد کیا، اس وقت پیرانِ پیر اس طرح کھڑے تھے کہ ایک ہاتھ آسمان کی طرف بلند کیا اور عصا مبارک زمین پر کھڑا کر کے زیر زَنَخ [اصل میں اسی طرح ہے، بظاہر بمعنی ٹھوڑی ہے] دبایا ہوا تھا، کسی نے سبب پوچھا، فرمایا کہ میں نے اوپر کے ہاتھ سے آسمان اور عصا سے زمین کو تھاما تھا، اگر میں ان کو نہ تھامتا تو آسمان ٹوٹ پڑتا اور زمین پارہ پارہ ہو جاتی۔

الغرض اس کا کچھ وعظ اسی قسم کا ہوتا تھا، ان میں سے بخوفِ طوالت ان چند اقوال پر اکتفا کی جاتی ہے، بہت سادہ لوح مسلمان اس کو عارف باللہ سمجھ کر اس کے مرید ہو گئے، اور اس کے طریقے کو طریق حق جانتے ہیں، اب علمائے ربانی سے سوال یہ ہے کہ:

① روایات صحیح ہیں یا نہیں؟ ② اگر صحیح ہیں، تو ان کا کیا مطلب ہے؟ ③ جس کی ایسی گفتگو ہو، تو وہ عارف باللہ اور شیخ کامل ہو سکتا ہے، یا نہیں؟ ④ اس کی بیعت رَوَا [جائز] ہے، یا نارَوَا؟ کیا مرید کو ایسا ہی کرنا چاہئے، جیسا کہ خواجہ معین الدین کی طرف منسوب ہوا ہے ⑤ اس کے مرید جو ایسا عقیدہ

رکھیں، جو اس کو عارف باللہ اور شیخ بر حق جانیں کیسے ہیں؟ ان کی امامت درست اور ان کا ذبیحہ حلال ہے، یا نہیں؟ اور ان کو اس کی بیعت پر قائم رہنا چاہئے، یا نہیں؟ ⑥ اس کا وعظ سننا جائز ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا.

جواب: «قال الله تعالى: وما قدروا الله حق قدره والأرض جميعا قبضته يوم القيامة».

یعنی اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی، اس کے بندوں نے قدر نہیں جانی، اس کی قدرت، اس کا علم، اس کے جلال و قہر و غضب، رافت و رحمت سے جہلا کو اور اس وقت کے بعض جاہل نام کے مولویوں کو خبر نہیں ہے، اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے حکم کے سامنے، نہ کسی ولی کو یارائے دم زَدَن ہے [سانس لینا]، نہ نبی کو: «مايفتح الله للناس من رحمة فلا ممسك لها ومايمسك فلا مرسل له من بعده وهو العزيز الحكيم». جب کسی پر حق تعالیٰ انعام کرنا چاہتا ہے، تو کوئی روک نہیں سکتا اور جب کوئی شئے کسی سے روک لیں، تو کوئی اس کو دے نہیں سکتا، مشرکین عرب بھی اپنے آلہۂ باطلہ کے سامنے، اللہ پاک جل جلالہ کو عاجز و مجبور نہیں جانتے تھے، اس وقت کے مسلمانوں نے نعوذ باللہ، اللہ پاک جل جلالہ کو اس کے بندوں کے سامنے (اپنے دعوی مسلمان پر) عاجز و مجبور ٹھہرا دیا۔

یہ شخص جس کا ذکر سوال میں ہے، اس کے کفر میں کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں، اس کا یہ تمام وعظ جو سراسر جہالت اور ضلال [گمراہی] ہے، احادیثِ صحیحہ صریحہ اور نصوص قطعیہ کے سراسر خلاف ہے، چونکہ یہ امر بالکل ظاہر و بدیہی ہے، اس لئے اس مضمون کے اثبات کے واسطے، نہ نقل آیات کی ضرورت ہے نہ بسطِ روایات کی، پس ایسے شخص سے بیعت ہونا، یا اس کے وعظ و درس میں شریک ہونا،

یا اس کا کلام سننا، یا اس سے ملنا اور محبت کرنا، یا اس کا ذبیحہ کھانا، یا اس کی کسی ایسی تالیف و تصنیف کو دیکھنا، یا اس کے پیچھے نماز پڑھنا، کسی طرح اور کسی حال میں درست نہیں ہے، اور اگر بیعت کرلی ہو تو فسخ کرنا واجب ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم!''[1]

*****

[1] باقیات فتاوی رشیدیہ: اولیائے کرام حق تعالیٰ کے سامنے بے بس اور مجبور محض ہیں، ص: ۴۲ - ۴۵، دار الکتاب لاہور۔

روایت نمبر ۲۵

”وقتِ ذکرِ ولادت کے ملائکہ کا نزول ہوتا ہے“، بالکل غلط ہے، کسی روایت میں یہ نہیں لکھا

”۔۔۔**اولاً:** یہ امر کہ وقتِ ذکرِ ولادت کے ملائکہ کا نزول ہوتا ہے، بالکل غلط ہے، کسی روایت میں یہ نہیں لکھا، اگر ہے تو یہ ہے کہ وقت ذکرِ خیر کے ملائکہ حاضر ہوتے ہیں، پس چاہئے کہ ابتدائے ذکرِ خیر سے آخر تک کھڑے رہیں، تعظیمِ ملائکہ کے واسطے، یا اول جب شروع ذکرِ خیر کا ہو، اس وقت وقتِ نزول ہے، جب قیام کریں۔۔۔“[1]۔

*****

[1] باقیات فتاوی رشیدیہ: ذکر ولادت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت قیام؟ ص: ۸۴، دار الکتاب لاہور۔

روایت نمبر (۲۶)
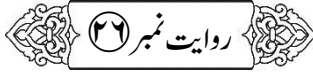
"میت کی بخشش کے لئے ایک لاکھ یا ستر ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھنے سے میت کی بخشش"، یہ حدیث کتبِ صحاح ستہ، "مشکوٰۃ شریف" و "دارمی شریف" و "مؤطا امام محمد" میں کہ ہندوستان میں کتبِ مشہور ہیں، کہیں موجود نہیں، اور حالِ صحت و غیر صحت بدون سند کے معتبر نہیں

"**سوال**: بعض لوگ بنابر جوازِ رسمِ سوم، یہ حدیث حجت لاتے ہیں:

«عن عبد الله بن عمر قال: قال النبي ﷺ: من قال لا إله إلا الله ألف ألف مرة وجعل ثوابها للميت غفر الله له، وإن كان مستوجبا للعقوبة».

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے ایک لاکھ مرتبہ لا الہ الا اللہ کہا، اور اس کا ثواب کسی مردے کو بخش دیا، تو اللہ تعالیٰ اس مردہ کی مغفرت فرمادیں گے، چاہے وہ سزا کا مستحق ہو گیا ہو۔

آیا یہ حدیث صحیح ہے، یا غیر صحیح؟ اور در صورتِ صحت، کتبِ صحاحِ ستہ کی (ہے) یا کسی دوسری کتاب کی؟ اور کلمہ شریف واسطے ثواب رسانی [یعنی ثواب پہنچانا] میت کے، کس طرح پڑھنا چاہیئے؟ فقط۔

جواب: یہ حدیث کتبِ صحاح ستہ، "مشکوٰۃ شریف" و "دارمی شریف" و "مؤطا امام محمد" میں کہ ہندوستان میں کتبِ مشہور ہیں، کہیں موجود نہیں، اور حالِ

صحت وغیرِ صحت بدون سند کے معتبر نہیں، ہاں البتہ بعض روایات میں ایصالِ ثواب کلمہ شریف کا آیا ہے، مگر عجب ہے کہ جوازِ ایصالِ ثوابِ کلمہ سے، سوم درست ہو جائے، کیوں کہ ایصالِ ثوابِ کلمہ کا سب حنفیہ اقرار کرتے ہیں، جب چاہے ثواب پہنچاوے کوئی وقت مقرر نہیں، اور سوم کی وجہ کراہت یہ ہے کہ دراصل سوم رسم ہنود ہے، کہ تیسرے روز قوم ہنود جمع ہو کر پھول چنا کرتے ہیں، اور مسلمانانِ ہند جو جہل میں مبتلا ہیں تیسرے روز جمع ہو کر قرآن پڑھوانے کو بہتر سمجھے، اور یہ نہ سمجھے کہ اس میں مشابہت رسمِ کفار کی لازم آتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل مشابہتِ کفار سے منع فرمایا ہے۔۔۔"[1]۔

---

[1] باقیات فتاوی رشیدیہ: رسوم سوم کی حقیقت اور اس کے ثبوت میں پیش کی گئی، ایک حدیث پر نظر، ص: ۹۴، دار الکتاب لاہور۔

کتاب "باقیاتِ فتاوی رشیدیہ" کے مرتب حضرت مولانا نور الحسن کاندھلوی دامت فیوضہ اس حدیث پر حاشیہ میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "یہ روایت عوام میں مشہور ہے مگر اس کی اصل کتبِ حدیث شریف میں نہیں ملی، یہ روایت غالباً فقیہ ابو اللیث سمرقندی کی تصانیف سے چلی ہے، وہیں سے کتب فقہ میں نقل ہوئی، بہر حال اس کو حدیث کہنا درست نہیں" (ص: ۹۳)۔

حافظ نجم الدین غیطی رحمۃ اللہ علیہ نے "الابتہاج بالکلام علی الاسراء والمعراج" (مخطوط: ص: ۵) میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ وہ اس روایت کو باطل، من گھڑت قرار دیتے تھے، نیز حافظ نجم الدین غیطی رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ اکابر صوفیاء کی اقتداء اور ان کے افعال کے تبرک حاصل کرنے کے لئے اس عمل کو کر لینا چاہئے، حافظ نجم الدین غیطی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت ملاحظہ ہو:

«ويشبهها ما يتداوله السادة الصوفية من قول لا إله إلا الله سبعين ألف مرة، و يذكرون أن الله تعالى يعتق بها رقبة من قالها، واشترى بها نفسه من النار، و يحافظون على فعلها لأنفسهم و لمن مات من أهالهم و إخوانهم، وقد ذكرها الإمام اليافعي [كذا في الأصل، وفي خلاصة الأثر: الرافعي] والعارف بالله الكبير المحيوي

[كذا في الأصل] بن عربي، و أوصى بالمحافظة عليها، و ذكروا أنه قد ورد فيها خبر نبوي، و حكوا أن شابا صالحا كان من أهل الكشف ماتت أمه، فصاح و بكا وخر مغشيا عليه، ثم سئل عن سبب ذلك، فذكر أنه رأى أمه في النار، وكان بعض المشايخ من السادة حاضرا، وكان قد قال هذه السبعين ألفا، و أراد أن يعدها لنفسه، فقال في نفسه عندما سمع قول الشاب المذكور: اللّٰهُمَّ إنك تعلم أني هللت هذه السبعين ألف تهليلة و أريد أدخرها لنفسي، و أشهدك أني قد اشتريت بها أم هذا الشاب من النار، فما استتم هذا الورد إلا وتبسم الشاب، وسر، وقال: الحمد لله، أرى أمي قد خرجت من النار، و أمر لها إلى الجنة، قال الشيخ المذكور: فحصل لي فائدان: صدق الخبر المذكور و صحته وكشف هذا الشاب، انتهى لك الحديث المذكور.

قال بعض المشايخ: لم ترد به السنة فيما أعلم، و قد وقفت على صورة سؤال للحافظ ابن حجر رحمه الله تعالى عن هذا الحديث، و هو: من قال لا إلٰه إلا الله سبعين ألفا اشترى نفسه من الله تعالى، هل هو حديث صحيح أو حسن أو ضعيف؟ و صورة جوابه: أما الحديث يعني المذكور فليس بصحيح ولا حسن ولا ضعيف، بل هو باطل موضوع، لا تحل روايته إلا مقرونا ببيان حاله انتهى، لكن ينبغي للشخص أن يفعلها إقتداء بالسادة الصوفية وامتثالا لقول من أوصى بها وتبركا بأفعالهم، وقد ذكرها الشيخ الزاهد الولي العارف بالله سيدي محمد بن عراق نفعنا الله ببركاته في بعض سفيناته [كذا في الأصل] المؤلفة، وقال: كان شيخه يأمره بها، و ذكر أن بعض إخوانه ذكر له بعض الصلحاء أنه كانت له سبحة عدها ألفا [كذا في الأصل]، وكان يريدها سبعين مرة من بعد صلاة الصبح إلى طلوع الشمس [كذا في الأصل]، وقال: وهذه كرامة له من الله تعالى، فنسأل الله تعالى أن يمن علينا بذلك وأن يلحقنا بعباده الصالحين انتهى»۔

یہی تمام تفصیل علامہ محمد امین بن فضل اللہ محبی رحمۃ اللہ علیہ نے ”خلاصۃ الاثر فی اعیان القرن“ (۱/۷۳) میں نقل کی ہے، اور آخر میں حافظ نجم الدین غیطی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے۔

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ”مجموع الفتاوی“ (۲۴/ ۱۸۰) میں فرماتے ہیں یہ روایت کسی صحیح یا ضعیف حدیث سے

ایک دوسرے انداز سے

"**سوال:** نَخُود بریان [یعنی بھنے ہوئے چنے] پڑھنے کیسے ہیں، کہ ان پر کلمۂ طیب پڑھا جاتا ہے اور مقصود پڑھنے سے یہ ہے کہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس شخص پر ستر ہزار (۷۰۰۰۰) مرتبہ کلمۂ طیبہ پڑھا جاوے تو وہ شخص بخشا جاتا ہے، تو وہ کلمہ ان پر پڑھا جاتا ہے، تو فرمائیں پڑھنا جائز ہے یا نہیں ہے؟

جواب: نَخُود کا مسئلہ بھی ایسا ہی ہے کہ تخصیص دانۂ نَخُود [یعنی بھنے ہوئے چنے] کی ایسی کہ اس کا ترک گراں بار طبع [یعنی اس سے طبیعت پر بوجھ ہو] ہو مکروہ ہے، پس یہ کلمۂ خوانی بوجہ اس تخصیص کے اور تعینِ یومِ ثالث کے مکروہ ہے، نہ نفسِ کلمہ خواندنی [یعنی یہ کلمہ پڑھنا بذاتِ خود مکروہ نہیں ہے]، اگر کلمۂ خوانی [یعنی یہ کلمہ پڑھنا] بغیر اس امر مذموم کے ہو، کیا اندیشہ ہے، درست ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم!"[1]۔

*****

ثابت نہیں ہے، یعنی اس کی کوئی ادنی سند بھی نہیں ہے، تاہم اگر کوئی شخص لا الہ الا اللہ ستر ہزار یا کم وبیش مقدار میں پڑھ کر میت کو ایصال ثواب کرے گا تو اللہ اس کا نفع اسے پہنچادیں گے، عبارت ملاحظہ ہو:

«وسئل عمن هلل سبعين ألف مرة وأهداه للميت يكون براءة للميت من النار. حديث صحيح أم لا؟ وإذا هلل الإنسان وأهداه إلى الميت يصل إليه ثوابه أم لا؟ فأجاب: إذا هلل الإنسان هكذا سبعون ألفا أو أقل أو أكثر وأهديت إليه نفعه الله بذلك، وليس هذا حديثا صحيحا ولا ضعيفا، والله أعلم».

[1] باقیات فتاویٰ رشیدیہ: چنے کے دانوں پر کلمہ طیبہ پڑھنے کا اہتمام کیسا ہے؟ ص:۹۳-۹۴، دار الکتاب لاہور۔
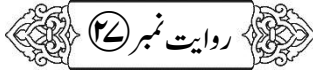
”اذان کے وقت انگوٹھے چومنے کے باب میں کوئی حدیث مرفوع صحیح نہیں ہوئی“

”**سوال:** وقتِ استماعِ نامِ پاک جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اذان میں، تقبیلِ ابہامین کس حدیث سے ثابت [ہے]؟

جواب یکے از علمائے اہل بدعت:

تقبیل ابہامین وقتِ استماع نامِ پاک جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم موجبِ ثوابِ عظیم و مسنون ہے، چنانچہ مولوی فضل رسول اور مولوی کریم اللہ نے اس کے اثبات میں مدلل رسائل تحریر کئے ہیں، مگر وہابی (و) منکر اولیاء اللہ اس کو ناجائز جانتے ہیں، حالانکہ حدیث شریف میں اس کا مسنون ہونا اور موجبِ ثواب ہونا خود موجود ہے، جو مجھ کو معلوم ہے، اس کو لکھتا ہوں:

فرمایا حضرت نے:

«وقد نقل عن مسند الفردوس المؤلفة للحافظ الإمام شهردار بن الحافظ شهرويه الديلمي - أن رسول الله ﷺ قال: من قبل ظفر إبهاميه عند سماع أشهد أن محمدا رسول الله في الأذان، أنا قائده ومدخله في صفوف الجنة.

وفي جمل الأحاديث أن رسول الله ﷺ دخل المسجد في عشر المحرم عند الأسطوانة حذاء أبي بكر، فقام بلال فأذن، فلما بلغ

أشهد أن محمد رسول الله، قبل أبوبكر ظفر إبهاميه و وضعهما على عينيه، فقال: قرة عيني بك يارسول الله! فلما بلغ بلال من الأذان توجه النبي ﷺ إلى أبي بكر، فقال: من فعل مثل مافعلت يا أبابكر! غفرالله ذنوبه حديثها وقديمها وعمدها وخطأها».

مسند فروس، تالیف امام حافظ شہر دار ابن شہرویہ رحمۃ اللہ علیہ میں نقل کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اذان میں «أشهد أن محمد رسول الله» سننے کے وقت اپنے انگوٹھے چومے، میں ان کا سردار ہوں گا، اور ان کا جنت کی صفوں میں داخلہ ہو گا۔

اور ''جمل احادیث'' میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دس محرم کو مسجد نبوی میں داخل ہوئے اور اس کے تنے کے سامنے ٹھہر گئے، جو حضرت ابو بکر کے (گھر کے) سامنے تھا، بلال کھڑے ہوئے اور اذان پڑھی، جب اشہد ان محمدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہنچے تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انگوٹھوں کے ناخن چومے اور ان کو اپنی آنکھوں پر رکھا اور کہا....[اصل میں اسی طرح ہے] میری آنکھوں کی ٹھنڈک آپ سے ہے، اے اللہ کے رسول! جب بلال رضی اللہ عنہ اذان سے فارغ ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ابو بکر! جو اس طرح کرے جس طرح تم نے کیا، اللہ تعالیٰ اس کے سب گناہ، نئے پرانے، جان کر اور بھول کر کئے ہوں، سب معاف فرمادے گا۔

غرض اس بارے میں جماعت کثیرہ علماء وصلحاء محدثین کا اتفاق ہے، عباراتِ کتبِ صحیحہ کی کہاں تک لکھوں، مُنکِر اس کا، بڑا بے نصیب اور بے ادب ہے، گمراہ ہے، اللہ تعالیٰ ہدایت کرے، فقط از انبالوی۔

مذکورہ بالا تحریر کارد اور تصحیح از حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی:

[امام] بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا [ہے] کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ منافق کی تین نشانی ہیں: ایک ان میں سے یہ ہے کہ جب مخاصمہ کرے، بیہودہ اور گالی بکے، سو مُجِیْب نے اپنے جوابات میں جو الفاظ بیہودہ تحریر کئے ہیں، حسبِ حدیثِ صحیح، خود اپنی زبان سے بنے جو کچھ بنے، اہل علم کو لازم ہے کہ مناظروں میں زبان کو تھامیں اور لغو نہ بکیں۔

ازیں بعد بَہُوش سننا چاہئے کہ ہزار ہا حدیث بد دینوں نے اپنی طرف سے بنالی ہیں، اور صدہا حدیثِ موضوع صلحاء نے معمول اپنی کی ہیں، اور غلطی سے اس گناہ میں پڑے ہیں، چنانچہ اس امر کو اہل علم خوب جانتے ہیں، حاجت میری تحریر کی نہیں، خطبۂ "صحیح مسلم" اس امر کے واسطے کافی ہے، اسّی ہزار حدیث وضعی [من گھڑت احادیث] امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو یاد تھیں، تو بس، ہر عبارت پر کہ لوگوں نے اطلاقِ لفظِ حدیث کر دیا ہو، وہ حدیث نہیں ہوا کرتی، جب تک سندِ صحیح سے اس کا ثبوت نہ ہو، اور ائمہ حدیث اس کی تصحیح و تصدیق نہ کریں، اس کو حدیث جاننا اور اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہوتا اور کسی اہل علم کو اس کا بیان کرنا روا نہیں، ہاں البتہ جہلاء جو لباسِ علماء میں ہو کر اپنے آپ کو ہوائے نفس کے مقلد کرتے ہیں اور کسی عالم کی بات کو رُعُونت [یعنی غرور] سے تسلیم نہیں کرتے، ان کا شیوہ ہے کہ وضعی حدیثیں [من گھڑت احادیث] پیش کر کے، اپنی بدعت کو رواج دیا کرتے ہیں، تو اہل علم کو ایسے امر سے اجتناب فرض ہے، غرض جو حدیث کتبِ معتبرہ میں بسندِ صحیح ہو وہ قابل اعتبار ہے، ورنہ واجب الرد ہے، جس کو حدیث اور اصول حدیث اور فقہ اور اصول فقہ پر کچھ نظر اور عبور ہو گا، وہ تو میری اس تقریر کو حق جانے گا،

اور جس کو علم سے بَہرَہ [یعنی قسمت، حصہ] نہیں، البتہ وہ جہل کی باتیں بنادے گا، مگر اہل علم کی مجلس میں خوار ہو گا۔

بعد اس کے سنو! کہ انگوٹھے چومنے کے باب میں کوئی حدیث مرفوع صحیح نہیں ہوئی، اور یہ بات میں اپنی طرف سے نہیں لکھتا، "ردمحتار" شرح "درمختار" میں جو شامی کے نام سے مشہور ہے، نقل کیا ہے کہ لوگوں نے اس باب میں روایاتِ کثیرہ نقل کی ہیں، مگر کوئی حدیث مرفوع صحیح نہیں ہوئی:

«وقال الجَرَّاحِي: ولم يصح في المرفوع من كل هذا شيء انتهى».

ترجمہ: جَرَّاحِی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اس میں ایک روایت بھی حدیث مرفوع سے ثابت نہیں (ت: نور)۔

باقی اگر کوئی قول کسی کا منقول ہو تو ثواب وعقاب میں کسی کا قول ہرگز معتبر نہیں ہوتا، اس امر میں مرفوع حدیث ہی معتبر ہوتی ہے، چنانچہ یہ قاعدہ اصول کا، اہلِ علم پر بدیہی ہے، مجھ کو حاجت اس کے اثبات کی نہیں، اور شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ "احادیث موضوعہ" میں لکھا ہے کہ "مسند فردوس" میں جو روایت مسح عینین کی «عند تشهد المؤذن بروايت أبي بكر» منقول ہے اور ایسا ہی بلفظ «قرة عيني» جو اس باب میں روایت ہے، وہ صحیح نہیں ہوئی، اور وہ بھی حدیث مُجِیْب کی ہے، جس کو مُجِیْب اپنی معلومات میں نقل کرتے ہیں، اور شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے جوابات میں یہی تحریر فرمایا ہے کہ یہ روایت ثابت نہیں ہوئی، لہٰذا قابلِ عمل نہیں، اور وقتِ سماعِ نامِ پاک سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بجز صلوٰۃ وسلام کے کچھ ثابت نہیں ہے، تو پس مُجِیْب نے جو کتبِ احادیث اور علمِ حدیث سے، اور ناواقف فن اصول اور اصول حدیث سے، جو

روایات اوراق منتشرہ پر سے، نقل کر کے پیش کرتے ہیں، دیانت و دینداری سے بعید ہے، ہر شخص عامی بنام علماء ہو کر جب مفتی و مُجِیب ہوا تو قیامت آگئی، اول سلیقہ تنقیدِ روایات واجب ہوتا ہے، ازاں بعد مرتبہ افتاء ہوتا ہے۔

الحاصل یہ روایت دیلمی منقولہ مُجِیب، بتصریح شوکانی حیطۂ [یعنی احاطہ] صحت سے خارج ہوئی، اور شامی رحمۃ اللہ علیہ نے امام جرّاحی رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے، اس باب کی سب احادیث کا غیر صحیح ہونا ثابت کر دیا، تو اب مُجِیب صاحب پر لازم ہے کہ یا اس مسئلہ میں دم نہ ماریں، اور اگر جوش تقلید آبائی سکوت کی اجازت نہیں دیتا، تو حسبِ قاعدۂ اصولِ حدیث اور اصولِ فقہ کے اپنی احادیث کی سند کو ثابت کریں، ورنہ مفت غوغا [یعنی شور] لا حاصل ہے، قاعدۂ علم سے خارج ہے، علماء کے نزدیک اس وقت کلام و تحریر معتبر ہوگی جو قاعدۂ علمی کے موافق تحریر ہو ورنہ قابلِ استماع نہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم!"[1]۔

*****

---

[1] باقیات فتاویٰ رشیدیہ: اذان کے وقت انگوٹھے چومنا کیسا ہے؟ ص: ۱۱۲ - ۱۱۵، دار الکتاب لاہور۔

حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے "المقاصد الحسنہ" (ص: ۴۴۰) میں لکھا ہے کہ "اس باب میں کوئی بھی مرفوع روایت صحیح نہیں ہے"، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے "اسرار المرفوعہ" (ص: ۳۰۶) میں، اور علامہ محمد بن اسماعیل عجلونی رحمۃ اللہ علیہ نے "کشف الخفاء" (۲/۲۴۱) میں اس قول پر اکتفاء کیا ہے، نیز محمد بن محمد درویش الحوت رحمۃ اللہ علیہ نے "اسنی المطالب" (رقم: ۱۳۰۴) میں، اور علامہ احمد بن عبدالکریم غزی رحمۃ اللہ علیہ نے "الجد الحثیث" (رقم: ۴۵۰) میں یہی کہا ہے اس باب میں کوئی بھی مرفوع روایت "صحیح" نہیں ہے۔

روایت نمبر ۲۸
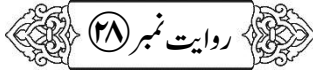
”نزع کے وقت آدمی کو ستر رمضان کی پیاس لگنا اور شیطان کا پانی کی لالچ دے کر کلماتِ کفر کہلوانا“، اس روایت کی اصل نہیں

”**سوال:** مشہور ہے کہ نزع کے وقت آدمی کو ستر رمضان کی پیاس لگتی ہے اور شیطان شیشہ میں پانی لے کر سامنے کھڑا ہوتا ہے اور کلماتِ کفر، پانی کا لالچ دے کر کہلاتا ہے، تو چاہیئے کہ اس وقت شربت مردہ کو دیا جاوے، تاکہ اس کی پیاس بجھے اور شیطان کا داؤ نہ لگے، یہ بات صحیح ہے یا غلط؟

جواب: اس کی اصل نہیں، فقط!“[1]۔

******

[1] باقیات فتاوی رشیدیہ: نزع کے وقت پیاس لگنے کی ایک بے اصل روایت کا ذکر، ص: ۱۹۲، دار الکتاب لاہور۔

روایت نمبر (۲۹)
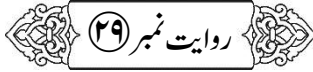
سفر بروز ہفتہ نحس اور شُوم [منحوس] ہونا بالکل غلط ہے، اس کی اصل کسی حدیث سے ثابت نہیں

''مسئلہ: بروز شنبہ [ہفتہ] سفر کرنا اور مکان کی بنیاد ڈالنی درست ہے، شرع میں کوئی نحس و شُوم [منحوس] نہیں، سب دن اچھے ہیں، ہاں! بعض روز میں حق تعالیٰ نے برکت رکھی ہے، مثل دوشنبہ [پیر]، پنجشنبہ [جمعرات] و جمعہ، مگر شوم کسی دن میں نہیں، یہ قول نجومیوں کا ہے، شرع نے اس کو رد کر دیا ہے اور شرک کہا ہے، چنانچہ حدیث شریف میں ہے: «الطِيَرَة شرك». [بدشگونی شرک ہے]

سو کسی زمان یا مکان یا شے میں شوم [منحوس] ماننا بہت برا ہے، حق تعالیٰ خالق و مؤثر ہے، جس شے کو چاہے کسی کے حق میں متبرک کر دے، اور جس کو چاہے شُوم [منحوس] بنا دے، الغرض سفر بروز پنجشنبہ [جمعرات] موجبِ برکت ہے اور سفر بروز شنبہ [ہفتہ] نحس اور شُوم [منحوس] ہونا بالکل غلط ہے، اس کی اصل کسی حدیث سے ثابت نہیں، و علی ہذا القیاس، بناءِ مکان جب چاہے شروع کر دے، شنبہ [ہفتہ] اور غیر شنبہ کوئی نحس نہیں، یہ کلام خارج دائرہ شریعت سے ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم!''[1]۔

---

[1] باقیات فتاوی رشیدیہ: ہفتہ کے دن سفر کرنا اور مکان کی بنیاد ڈالنا کیسا ہے؟ ص:۳۸۶، دار الکتاب لاہور۔
علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''تفسیر'' (۲۷/۸۷) میں ''ایام نحسات'' کے تحت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے انتساب سے ایام میں سعد و نحس پر مشتمل اشعار نقل کر کے ''لا یصح'' کہا ہے، اشعار یہ ہیں:
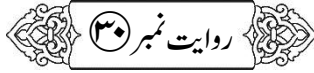
«العلم علمان: علم الأبدان و علم الأديان».
”علم کی دو قسمیں ہیں: جسمانی علوم اور دینی علوم“، یہ حدیث نہیں

« .... العلم علمان الخ» اولاً یہ حدیث نہیں، بعد تسلیم و فرض اس کے حدیث ہونے کے، وہ خود تفرقہ کرتی ہے کہ علم کی دو نوع ہیں، اور علم اَبدَان جو فن طب ہے علم دین سے جدا ہے، کیونکہ ہر نوع دوسری نوع سے متبائن اور ضد ہوتی ہے، بہر حال علم اَبدَان کا علم دین کا غیر اور ضد ہونا، اس سے واضح ہو گیا، اور بالا [اوپر] واضح ہو گیا کہ جس علم کی تحصیل کا حکم ہے، وہ علم دین کا ہی ہے، فقط!“ [۱]۔

فنعم اليوم (يوم السبت) حقا	لصيد إن أردت بلا امتراء
وفي (الأحد) البناء لأن فيه	تبدى الله في خلق السماء
وفي (الاثنين) إن سافرت فيه	سترجع بالنجاح وبالثراء
ومن يرد الحجامة (فالثلاثا)	ففي ساعاته هرق الدماء
وإن شرب امرأ يوماً دواءا	فنعم اليوم يوم (الأربعاء)
وفي (يوم الخميس) قضاء حاج	فإن الله يأذن بالقضاء
وفي (الجمعات) تزويج وعرس	ولذات الرجال مع النساء
وهذا العلم لا يدريه إلا	نبي أو وصي الأنبياء

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ”الشماریخ فی علم التاریخ“ (ص:۲۸) میں ان اشعار کے بعد فرمایا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب ان اشعار کو منسوب کرنا قابلِ نظر ہے۔

[۱] باقیات فتاوی رشیدیہ: علم سے مراد علم دین ہے، طلب علم سے اسی کی ترغیب دی گئی، ص:۳۹۹، دار الکتاب لاہور۔

آیت: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا تُوبُوٓا إِلَى اللهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا﴾.
کی تفسیر میں نصوح نامی شخص کا قصہ بالکل غلط ہے

”سوال: ایک شخص نے آیت: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا تُوبُوٓا إِلَى اللهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا﴾. کی تفسیر یوں بیان کی کہ نصوح ایک شخص تھا، اور وہ، جو ایک قصہ ڈپٹی نذیر احمد جج حیدر آباد نے اپنی کتاب ”توبۃ النصوح“ میں تحریر کیا ہے، تائیداً بیان کیا۔

جواب: آیت کی تفسیر میں توبہ نصوح کی، معنی نصوح کے توبہ کرنا اور نصوح کسی شخص کا نام مقرر کرنا، محض جہل و حماقت ہے، ترجمہ یہ ہے کہ توبہ خالص کرو، توبہ موصوف اور نصوح اس کی صفت ہے، اور یہ ترجمہ جہال کا، توبہ نصوح کی باضافت ہے، پس ایسی تفسیر کرنا اولاً جہل دوسرے تفسیر بالرائے ہے، ایسا شخص ہر گز قابل وعظ نہیں، اور قصہ جس نصوح کا لوگوں میں زبان زد ہے، وہ نزول قرآن شریف سے مدتوں پہلے پیدا ہوا ہے، الغرض یہ مفسر بالکل احمق ہے اور یہ تفسیر اس کی بالکل غلط ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم!“[1]۔

علامہ صغانی رحمۃ اللہ علیہ نے ”موضوعات“ (ص:۳۸) میں، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ”اسرار المرفوعہ“ (ص: ۲۴۷) میں، اور علامہ پٹنی رحمۃ اللہ علیہ نے ”تذکرۃ الموضوعات“ (ص:۱۸) میں، علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے ”الفوائد المجموعہ“ (ص:۳۱) میں اس روایت کو من گھڑت کہا ہے، نیز ربیع بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ نے اسے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول کہا ہے، تفصیل کے لئے دیکھئے: کتاب غیر معتبر روایات کا فنی جائزہ، حصہ دوم، ص:۲۹۶۔

[1] باقیات فتاوی رشیدیہ: توبہ نصوح کا مفہوم کیا ہے؟ ص:۴۱۴، دار الکتاب لاہور۔
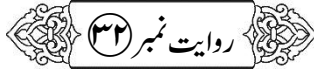
"فرشتوں میں قراءتِ قرآن کی صفت نہیں ہے، اس لئے وہ قرآن سننے کے مشتاق ہوتے ہیں"، اس مشہور بات کی کوئی اصل نہیں

"سوال: یہ جو لکھا ہے کہ فرشتگاں آدمیوں سے، مشتاق سننے قرآن مجید کے، ہوتے ہیں، کیونکہ ان میں یہ صفت نہیں ہے، حالانکہ جبریل علیہ السلام دور کرتے تھے، ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے؟

جواب: اس مشہور کی کوئی اصل نہیں، بلکہ اصل یہ ہے کہ قرآن کا، ملائک کو شوقِ استماع ہے کہ اس کی برکات سے وہ خوب واقف ہیں، فقط!"[1]۔

*****

---

[1] باقیات فتاوی رشیدیہ: فرشتوں کو قرآن پاک کے سننے کا شوق؟ص: ۵۲۰، دار الکتاب لاہور۔

سائل کی ذکر کردہ حدیث جبریل علیہ السلام بخاری شریف میں ان الفاظ سے ہے، «إن جبريل كان يعارضني القرآن كل سنه»، اس کے تحت حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ "فتح الباری" (۹/۴۵) میں تحریر فرماتے ہیں: "بظاہر دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور جبریل علیہ السلام ایک دوسرے پر قرآن پڑھتے تھے"، عبارت یہ ہے: «ويؤيده أيضا الرواية الماضية في بدء الخلق بلفظ: فيدارسه القرآن. فإن ظاهره أن كلا منهما كان يقرأ على الآخر وهي موافقة لقوله: يعارضه». معلوم ہوا کہ فرشتوں میں قراءتِ قرآن کی صفت موجود ہے۔

روایت نمبر (۳۴)
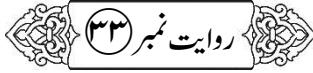
"کھڑے ہو کر کنگھی کرنے والا شخص مقروض ہو جاتا ہے۔۔۔"، ان روایات کی صحت نہیں

"**سوال:** اسی کتاب میں لکھا ہے کہ کھڑے ہو کر کنگھا کرنے سے مقروض ہوتا ہے، صحیح ہے یا غلط؟ اور یہ بھی لکھا ہے کہ موئے [بال] خشک میں شانہ [کنگھی] کرنا وٹوٹا ہوا شانہ کرنا، اور مستعار شانہ کرنا اور وقت طلوع و غروب آفتاب شانہ کرنا موجب اِفلاس ہے، صحیح ہے یا نہیں؟

جواب: ان روایات کی صحت نہیں، فقط!"[1]۔

*****

---

[1] باقیات فتاوی رشیدیہ: کنگھا کرنے سے متعلق چند بے اصل روایتوں کی حقیقت؟ ص:۵۳۳، دار الکتاب لاہور۔

یہ روایت (کھڑے ہو کر کنگھا کرنے والا شخص مقروض ہو جاتا ہے) شدید ضعیف ہے، اسے حافظ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے "کتاب الموضوعات (۳/۵۴)" میں، حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے "میزان الاعتدال" (۳/۲۳۸) میں، حافظ ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ نے "الکامل" (۱/۲۹۱) میں، حافظ مقدسی رحمۃ اللہ علیہ نے "ذخیرۃ الحفاظ" (۴/۲۲۲۷) میں، امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے "فوائد مجموعہ" (۱/۲۴۹) میں مختلف سندوں سے من گھڑت تک کہا ہے، تفصیل کے لئے دیکھئے، کتاب غیر معتبر روایات کا فنی جائزہ، حصہ دوم، ص:۲۰۹۔

روایت نمبر (۳۴)

روایت: "حجام کے شیشہ میں دیکھنا، گھٹیا پن ہے"، یہ روایت صحیح نہیں ہے

"**سؤال**: «عن أنس رضی اللہ عنہ قال: النظر في مرآة الحجام دناءة» [انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے: حجام کے شیشہ میں دیکھنا، گھٹیا پن ہے]. (رواه الديلمي) **بموجب اس روایت کے آئینہ حجام کا، دیکھے یا نہیں؟**

جواب: یہ روایت بھی صحیح نہیں، فقط!"[۱]۔

---

[۱] باقیات فتاوی رشیدیہ: حجام کا آئینہ نہ دیکھنے کی روایت کیسی ہے؟ ص:۵۳۳، دار الکتاب لاہور۔

یہ روایت حضرات محدثین کے نزدیک منکر ہے، تفصیل ملاحظہ ہو:

یہ روایت دو سندوں سے مروی ہے: ① ابو اسماعیل ابراہیم بن عطیہ کی سند ② محمد بن احمد قصبی کی سند

❶ ابو اسماعیل ابراہیم بن عطیہ (متوفی: ۱۸۱ھ) کی سند

روایت بسندِ ابراہیم بن عطیہ کے بارے میں حافظ ابن معین رحمۃ اللہ علیہ کی ذکر کردہ علت کا حاصل یہ ہے کہ اس روایت کو مغیرہ نے اس ابراہیم بن عطیہ سے نقل کیا تھا، اور مغیرہ سے ہشیم نے، لیکن ہشیم نے تدلیس کرتے ہوئے درمیان سے ابراہیم بن عطیہ کو حذف کر کے براہِ راست مغیرہ سے اسے نقل کیا انتہی، نیز اس ابراہیم بن عطیہ کے بارے میں اسی تبصرہ میں شدید جرح کی ہے، یعنی اسے «لا يساوي شيئًا» کہا ہے (دیکھئے، تاریخ یحیی بن معین: ۲/ ۳۰۰)، عبارت ملاحظہ ہو:

«سألت يحيى عن أحاديث يرويها هشيم، عن مغيرة، عن إبراهيم: النظر في مرآة الحجام دناءة، وإذا بلي المصحف دفن وأشباه هذه الأحاديث، فقال: سمعها هشيم من إبراهيم بن عطية الواسطي عن مغيرة، قلت ليحيى: إبراهيم هذا سمع من المغيرة هذه الأحاديث؟ قال كان إبراهيم هذا لايساوي شيئا، وينبغي أن يكون قد سمع من مغيرة، فهشيم إنما سمع هذه الأحاديث منه عن مغيرة، وكان يقول: مغيرة، هكذا قال يحيى أو شبيه بهذا».

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ابراہیم بن عطیہ کے بارے میں «عنده مناكير» کہہ کر اس روایت کی یہی علت ذکر کی ہے، یعنی ہشیم نے ابراہیم بن عطیہ کو درمیان میں سے ساقط کیا ہے۔ (دیکھئے، ضعفاء العقیلی: ۱/ ۶۰)

روایت نمبر ۳۵

”منافقوں کا آستین میں بت رکھ کر نماز پڑھنا، اور پھر حالت نماز میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہونا کہ ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھو“، یہ قصہ سراسر غلط ہے، جہلاء روافض کی گھڑت ہے

”**سوال:** منافقوں کا آستین میں بت رکھ کر نماز پڑھنا، اور پھر حالت نماز میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہونا کہ ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھو، غلط ہے، یا صحیح؟

جواب: یہ قصہ بھی سراسر غلط ہے، جہلاءِ روافض کی گھڑت ہے، فقط“[1]۔

اس روایت میں یحیی بن معین رحمۃ اللہ علیہ کی ذکر کردہ علت کو حافظ ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ نے ”الکامل“ (۷/۱۳۵) میں، خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے ”تاریخ بغداد“ (۷/۲۶) میں اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ”لسان المیزان“ (۱/۳۱۸) میں اعتماد کرتے ہوئے نقل کیا ہے۔

❷ محمد بن احمد قَصَبِی کی سند

اس طریق سے روایت کو امام ابو بکر اسماعیلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ”معجم“ (۱/۴۲۶) میں تخریج کر کے اسے منکر کہا ہے، ملاحظہ ہو:

«حدثنا محمد بن أحمد القصبي، حدثنا إسحاق بن شاهين، حدثنا خالد بن عبدالله، عن أبي طوالة، عن أنس، قال: قال رسول الله ﷺ: النظر في مرآة الحجام دناءة. قال الإسماعيلي: هو منكر».

سند میں موجود راوی محمد بن احمد قصبی کو حافظ ابو بکر اسماعیلی رحمۃ اللہ علیہ نے «لم يكن بذاك» کہا ہے، نیز حافظ ابو الفضل جارودی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سند میں محمد بن احمد قَصَبِی کو علت قرار دیتے ہوئے کہا ہے: «والحمل فيه على القَصَبِي» (دیکھیے، لسان المیزان: ۶/۵۲۵)۔

الحاصل سابقہ تصریحات کے مطابق یہ روایت منکر ہے، فضائل کے باب میں بھی بیان نہیں کی جاسکتی۔

[1] باقیات فتاوی رشیدیہ: منافقین کے آستینوں میں بت رکھ کر نماز پڑھنے کی روایت؟ ص: ۵۳۴، دار الکتاب لاہور۔

روایت نمبر ۳۶

”جمعہ کی شب اور جمعہ کے روز اور رمضان میں مسلمان کو عذاب قبر نہیں ہوتا، اور پیر کی روایت کوئی معلوم نہیں“

”**سوال**: جمعہ یا جمعرات یا پیر کے روز یا رمضان المبارک میں جو شخص مرجاتا ہے، تو اس کو کچھ تخفیف عذاب میں یا حساب میں ہوتی ہے یا نہیں؟ اور اگر ہوتی ہے تو کیا ہوتی ہے؟

جواب: جمعہ کی شب اور جمعہ کے روز اور رمضان میں مسلمان کو عذابِ قبر نہیں ہوتا، اور پیر کی روایت کوئی معلوم نہیں، فقط، واللہ تعالیٰ اعلم!“[1]۔

---

[1] باقیات فتاوی رشیدیہ: جمعہ کی شب میں جمعہ کو اور رمضان المبارک میں، مسلمان کو عذاب قبر نہیں ہوتا، ص: ۵۴۰، دار الکتاب لاہور۔

حافظ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ ”شرح بخاری“ (۳/۳۷۶) میں باب ”موت یوم الاثنین“ کے تحت مسند حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے دن (یعنی پیر) کے بارے میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس لئے دریافت کیا تھا کہ انھیں یہ خواہش تھی اس دن میں انتقال ہونے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے دن سے موافقت ہو کر برکت کا موجب ہوگی“، کچھ آگے جا کر پیر کے دن کی فضیلت میں بروز پیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت، نزول وحی، دخولِ مکہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال، نیز بروز پیر و جمعرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا روزہ رکھنا، ان دو دنوں میں اعمال کی پیشی کو ذکر کیا ہے، لیکن یہ فضیلت نقل نہیں کی کہ بروز پیر عذابِ قبر نہیں ہوتا، عبارت یہ ہے:

«إنما سأل أبو بكر الصديق ابنته عن أي يوم توفي فيه رسول الله ﷺ طمعا أن يوافق ذلك اليوم تبركا به .... وقد اتفق أهل السنة أن النبي عليه الصلاة والسلام ولد يوم الإثنين، وأنزل عليه يوم الإثنين، وبعث يوم الإثنين، ودخل المدينة يوم الإثنين، وتوفي يوم

روایت نمبر ۳۷

نبی ﷺ کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے عقدِ نکاح میں چھوہاروں کے لٹانے کی روایت من گھڑت ہے

"۔۔۔اور سنت جان کر لُوٹنا اور لُٹانا [یعنی چھوہارے] بدعت ہے، اور روایت لُٹانے آنحضرت ﷺ کی، عقدِ نکاح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا میں، اگرچہ بعض کتبِ سیر مانند "مواہب" و "مدارج" و "روضۃ الاحباب" میں منقول ہے، لیکن موضوع ہے، "فوائد المجموعة في الأحاديث الموضوعة" میں مرقوم ہے:

«أن النبي ﷺ تزوج إمرأة من نسائه فنشروا على رأسه تمر عجوة. رواه الخطيب عن عائشة رضي الله عنها مرفوعا، وفي إسناده سعيد بن سلام كذاب، والحديث باطل». [یعنی نبی ﷺ کا اپنی ازواج میں سے کسی ایک سے نکاح ہوا، جس میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کے سرہانے عجوہ کھجور لُٹائی۔ اسے خطیب رحمۃ اللہ علیہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے موفوعاً تخریج کیا ہے، اور اس روایت کی سند میں سعید بن سلام کذاب راوی ہے، نیز یہ حدیث باطل ہے]۔

الإثنين، وكان يصوم يوم الإثنين والخميس، وذكر مالك فى الموطأ عن أبى هريرة، أنه قال: تعرض أعمال الناس كل جمعة مرتين: يوم الإثنين [والخميس]، فيغفر لكل عبد مؤمن إلا عبدا كانت بينه وبين أخيه شَحْنَاء. فهذه فضيلة يوم الإثنين والخميس».

اور ”میزان اعتدال“ میں مسطور ہے:

«محمد بن دينار العرفي عن هيثم [كذا في الأصل، والصحيح العِرْقِي عن هشيم] أتى بحديث كذب، ولا يدرى من هو». [یعنی محمد بن دینار عِرقِی نے ہُشَیم سے ایک جھوٹی حدیث نقل کی ہے، نہ معلوم یہ کون ہے]۔

اور ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ”لسان الميزان“ میں ذکر کیا ہے کہ وہ حدیث جھوٹی ہے، کہ جس میں انتہابِ[لُٹانا] چھواروں کا ذکر ہے، عقد نکاح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا میں، اور مانند اسی کے ذکر کیا ہے سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ”لآلئ المصنوعة في الأحاديث الموضوعة“ میں، اور عراقی [اصل میں اسی طرح ہے، صحیح ابن عراق رحمۃ اللہ علیہ ہے] نے ”تنزيه الشريعة“ میں، اور ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ”تمحيض“ میں[اصل میں اسی طرح ہے، صحیح تلخیص ہے]، اور سوا اس کے اور احادیث سے جو کھجوروں کے لٹانے پر بعض دلیل لائے ہیں، وہ سب موضوع ہیں اور قابل احتجاج کے نہیں، اس حدیث کو کہ: «تزوج (رسول الله) ﷺ إمرأة من نسائه فنثروا على رأسها تمر عجوة». [یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی ازواج میں سے کسی ایک سے نکاح ہوا، جس میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ رضی اللہ عنہا کے سرہانے عجوہ کھجور لٹائی]۔

ابن طاہر پٹنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ”تذکرہ“ میں اور شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”موضوعات“ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث باطل ہے، اور اس کے اسناد میں سعید بن سلام کذاب ہے اور ”تنزیہ الشریعۃ“ میں (سعید بن سلام کے متعلق) مذکور ہے:

«قال أحمد وابن معين: كذاب. وقال البخاري: يذكر بوضع

الحدیث». [یعنی اس سعید کو احمد رحمۃ اللہ علیہ وابن معین رحمۃ اللہ علیہ نے کذاب کہا ہے، اور بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا ذکر حدیث گھڑنے میں کیا جاتا ہے]۔

اور حدیث: «لم أنهكم عن نهبة الولاء [كذا في الأصل والصحيح: الولائم] » بھی موضوع ہے، اس کے اسناد میں بشر بن ابراہیم ہے کہ روایت کرتا ہے موضوعات کو، ایسا ہی ذکر کیا ابن طاہر پٹنی رحمۃ اللہ علیہ اور شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے اور ''تنزیہ الشریعہ'' میں مرقوم ہے:

«قال ابن حبان وغيره: كان يضع الحديث». [یعنی اس بشر کے بارے میں ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا کہنا ہے کہ یہ حدیث گھڑتا تھا] واللہ تعالیٰ اعلم!

انتہاب [لُٹانا] بلاشبہ باعثِ فساد ہے، اگر یوں ہی تقسیم کرے بغیر اعتقادِ سنیت تو شیوع اور قرینہ اباحت میں ہے''[1]۔

ایک دوسرے انداز سے

''مسئلہ: خرما لُٹانے کی حدیث صحیح نہیں، اور اس میں اندیشہ تکلیف حاضرین کا ہے، لہذا نہ کرے''[2]۔

******

[1] باقیات فتاوی رشیدیہ: مجلس نکاح میں چھوہارے لٹانے کا حکم، ص: ۵۶۷، دار الکتاب لاہور۔

[2] باقیات فتاوی رشیدیہ: نکاح میں چھوارے لٹانے کی روایت صحیح نہیں، ص: ۲۵۰، دار الکتاب لاہور۔
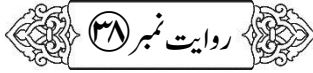
روایت نمبر (۳۸)

۱ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بعوض حسنین رضی اللہ عنہما خرید نا محض غلط ہے، ایسی باتیں بے اصل، بیان کرنے والا مستحق وعظ گوئی نہیں۔

۲ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا نکاح بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوا ہے، پہلے نہیں ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس نکاح کے کھانے کا پہنچنا لا اصل ہے۔

۳ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شب معراج میں حور کے نور کو سجدہ کرنا بالکل افتراء ہے، قرآن شریف کے بالکل مخالف ہے: «ما كذب الفؤاد مارأى» [جھوٹ نہیں کہا رسول (اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے دل نے جو دیکھا] صاف بیان ہے کہ آپ کو کسی قسم کی غلطی نہیں ہوئی، ایسا عقیدہ رکھنے والا کافر ہے، سخت زندیق ہے۔

۴ شب برات کو تین غسل کرنا، یا حلوا وغیرہ کا پکانا شریعت سے ثابت نہیں، یہ باتیں محض لا اصل ہیں۔

"**سوال:** ۱ زید نے وعظ میں بیان کیا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعوض حضرت امام حسنین رضی اللہ عنہما کے خرید کیا، برضامندی ان کے والدین رضی اللہ عنہما کے، یہ قصہ صحیح ہے یا غلط؟ اگر غلط ہے تو زید پر کیا حکم شرعی نافذ ہو گا؟ اور بلال ایک ہی تھے، یا کئی، عمرو اس کو باطل کہتا ہے؟

سوال: ۲ زید نے وعظ میں بیان کیا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا نکاح ہوا اور ان کی

زوجہ نے کھانا پکا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجنے کو کہا، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا نکاح ہوا یا نہیں، اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ایک ہی شخص تھے، یا چند صحابیوں کا نام تھا؟

سوال: ۳ زید نے وعظ میں بیان کیا کہ شبِ معراج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حور کا نور پھیلا ہوا دیکھ کر اس کو سجدہ کیا نورِ خدا سمجھ کر، حور نے کہا یا ندا ہوئی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو دھوکہ ہوا، میں حور ہوں، یہ قصہ صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح نہیں تو ایسا عقیدہ رکھنے والا کون ہے؟ عمرو کہتا ہے یہ افتراء ہے اور خلافِ قرآن ہے۔

سوال: ۴ زید نے وعظ میں بیان کیا کہ میں تم کو بروزِ شبِ برات حلوا پکانے کو منع نہیں کرتا، اگرچہ ثابت نہیں، مگر میں تم کو ایک طریقہ سنت کا بتاتا ہوں، وہ یہ ہے کہ تم چاول، دہی، شہد، شب برات کو پکاؤ، مُردوں کی روح کو ثواب پہنچاؤ، باہم تقسیم کرو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ برات کو پکوایا ہے، اے مفتی صاحبو! اس کی کچھ اصلیت ہے، یا نہیں، عمرو کہتا ہے کہ یہ لا اصل ہے؟

سوال: ۵ زید نے وعظ میں بیان کیا کہ شبِ برات میں تین غسل کرنے چاہئیں، ایک اول شب میں، ایک آدھی رات کو، ایک اخیر رات کو، اے مفتی صاحبو! اس کی بھی کچھ اصلیت ہے، یا نہیں، عمرو کہتا ہے کہ یہ لا اصل ہے؟

سوال: ۶ عمرو نے لوگوں سے پوچھا کہ شب برات کو حلوا یا چاول یا دہی یا شہد پکانا کیسا ہے؟ عمرو نے کہا خصوصیتِ ایام محض باطل ہے، مُردوں کو ثواب جب چاہو پہنچاؤ، کسی دن اور کسی طعام کو خاص مت کرو۔۔۔۔

جوابِ ذیل از جناب برکت مآب زبدۃ العارفین عمدۃ المحدثین حضرت مولانا مولوی رشید احمد صاحب مد فیوضہم گنگوہی و علمائے دیوبند۔

جواب: رسول اللہ ﷺ کا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بعوض حسنین رضی اللہ عنہما خریدنا محض غلط ہے، ایسی باتیں بے اصل، بیان کرنے والا مستحق وعظ گوئی نہیں، بلال رضی اللہ عنہ اور بھی ایک صحابی کا نام تھا، پر وہ حر الاصل [یعنی شروع سے آزاد تھے، غلام نہ] تھے، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا نکاح بعد وفات رسول اللہ ﷺ ہوا ہے، پہلے نہیں ہوا، یہ نکاح کے کھانے کا آپ [ﷺ] کی خدمت میں پہنچنا لا اصل ہے، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور کسی صحابی کا نام نہیں، شبِ معراج نورِ حور کو، آنحضرت ﷺ کا سجدہ کرنا بالکل افتراء ہے، قرآن شریف کے بالکل مخالف ہے: ﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ﴾. [جھوٹ نہیں کہا رسول (اللہ ﷺ) کے دل نے جو دیکھا] صاف بیان ہے کہ آپ کو کسی قسم کی غلطی نہیں ہوئی، ایسا عقیدہ رکھنے والا کافر ہے، سخت زندیق ہے، شب برات کو تین غسل کرنا، یا حلوا وغیرہ کا پکانا شریعت سے ثابت نہیں، یہ باتیں محض لا اصل ہیں، ان مسائل میں قولِ عمرو صحیح ہے اور قولِ زید باطل۔ واللہ اعلم!"[1]۔

*****

---

[1] باقیات فتاوی رشیدیہ: ایک جاہل واعظ کی بیان کی ہوئی سات بے اصل باتوں کی حقیقت، ص: ۵۶۸ - ۵۷۳، دار الکتاب لاہور۔

روایت نمبر (۳۹)

❶ روایت: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر تین مرتبہ پڑھتے تھے: عشاء کے بعد مسجد میں، پھر گھر میں تشریف لے جاکر، پھر تہجد کے وقت“، یہ لااصل ہے۔

❷ ”ایک خاص طریقے پر نمازِ قضاء ادا کی جائے تو چالیس برس کی نمازیں معاف ہو جاتی ہیں“، اس کی بھی کچھ اصل نہیں۔

صلوٰۃِ رغائب بدعت ہے۔

❸ ”عہد نامہ قبر میں رکھنا“، یہ شعائرِ روافض میں سے ہے۔

❹ ”بیس آیتیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکی میں نازل ہوئیں، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گاہے گاہے یہ خیال ہوتا تھا کہ کلام، اللہ کا، بیشک برحق ہے اور راست ہے، لیکن ایک نام خدا کا ستار ہے، بیشک عائشہ رضی اللہ عنہا کی ستاری کرتا ہے“، معاذ اللہ! یہ درپردہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمتِ عدم عصمت، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تہمتِ عدمِ وثوق کلام اللہ وعدمِ اعتبار خدا تعالیٰ اور خدا تعالیٰ پر تہمت کذب ہے۔

❺ ”حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وصیت کی کہ میرا گرز، میری قبر میں، میرے ساتھ رکھنا“، یہ بڑا بہتان ہے۔

❻ ”حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ زمین نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھینچا“، یہ کھلا ہوا رفض ہے۔

❼ ”جب منکر نکیر نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے «من ربك» کہا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نہیں سنتا، قریب آؤ، منکر نکیر گرز کو دیکھ کر ڈر گئے اور نزدیک نہ

ہوئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ گرز لے کر بیٹھ گئے، تاکہ فرشتوں کو ماریں، قبر چند فرسخ کھل گئی، اور فرشتے بھاگ گئے"، یہ قول بدیہی البطلان ہے۔

"۔۔۔ "ارشاد الطالبین" کی چند اور بے اصل باتیں:

بہر حال یہ کتاب قابلِ تمسک اور حجت نہیں، نہ اس کتاب سے عالم کو وعظ کہنا چاہیے، نہ لوگوں کو عمل کرنا چاہیے، عمرو نے، ۱۹ شعبان المعظم ۱۳۱۲ھ کو بروز جمعہ بعد نماز جمعہ وعظ کہا، اور صبح سے عام لوگوں کو اطلاع کر دی اور زید کے پاس بھی خط اطلاعی بھیج دیا، اور بعد کو تین مرتبہ کہلا بھیجا، عمرو نے مجمع عام میں کتاب "ارشاد الطالبین" کی عبارت پڑھ پڑھ کر "ہدایہ" اور "شامی" اور "کنز" اور "تفسیر جلالین" اور "ماتیہ مسائل" [اصل میں اسی طرح ہے]وغیرہ کتب حنفیوں کی تردید کی، زید اس مجمع میں باوجود اطلاع نہیں آیا۔

چند مسئلہ کتاب "ارشاد الطالبین" کے، عمرو کے بیان کئے ہوؤں میں سے لکھتا ہوں:

[سوال ۱ تا ۸ کو ہمارے موضوع سے متعلق نہ ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا، از طارق]

۹ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر تین مرتبہ پڑھتے تھے، عشاء کے بعد مسجد میں، پھر گھر میں تشریف لے جا کر، پھر تہجد کے وقت، عمرو کہتا ہے، لا اصل ہے۔

۱۰ بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں اختلاف ہوا، درباب قضا فوائت کے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے سنا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ چالیس برس کی نماز ادا ہو جاتی ہے، اگر اس شخص کی نماز چالیس برس کی قضا نہ ہوئی

ہو، تو اس کے والدین کی قضا شدہ نماز ادا ہو جاتی ہے، تو چاہئے کہ جمعہ کے دن ظہر کے بعد بارہ رکعت نماز تین سلام سے پڑھے، ہر رکعت میں بعد الحمد کے، سورۂ اخلاص پندرہ مرتبہ پڑھے، اس کی سب نمازیں ادا ہو جاویں گی۔

عمرو کہتا ہے: اس کی بھی کچھ اصل نہیں، فقہ میں باب قضاء الفوایت [اصل میں اسی طرح ہے] میں کہیں یہ ذکر نہیں، احادیث میں نہیں، اس نے کوئی عبارت نقل نہیں کی۔[1]

---

[1] مجدد الامہ ابو الحسنات لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ نماز کو "الآثار المرفوعہ" (ص:۱۱۰) میں "صلاۃ الکوثر" کے نام سے ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ یہ اور ان جیسی دیگر بہت سی نمازیں کتاب "وسیلہ الطالبین الی محبہ رب العالمین" میں نقل کی گئی ہیں، اس نماز کو حضرت لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ سے نقل کیا ہے:

«ومنها: صلاة الكوثر لقضاء الفوائت، وهي أن يصلي في يوم الجمعة من فاتت منه صلوات ولا يعلم عدد الفوائت، فيصلي أربع ركعات قائلا: نويت أن أصلي لله أربع ركعات تكفيرا لقضاء ما فات مني في جميع عمري، ويقرأ في كل ركعة بعد الفاتحة آية الكرسي مرة وسورة الكوثر خمس عشرة مرة ويصلي على النبي مائة مرة ويستغفر ويقول: اللّٰهُمَّ يا سابق الفوت! ويا سامع الصوت! ويا محيي العظام! بعد الموت صل على محمد وعلى آل محمد، واجعل لي فرجا ومخرجا مما أنا فيه، إنك تعلم ولا أعلم وأنت تقدر ولا أقدر وأنت علام الغيوب يا معطي العطايا! ويا غافر الخطايا! يا سبوح! يا قدوس! ربنا ورب الملائكة والروح، رب اغفر وارحم وتجاوز عما تعلم إنك أنت العلي الأعظم، يا ساتر العيوب يا ذا الجلال والإكرام! يا أرحم الراحمين!».

اس کے بعد حضرت لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اور ان جیسی دیگر نمازوں کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہونے کو خوب تفصیل سے بیان کیا ہے، اہمیت کے پیش نظر یہ تفصیلی عبارت ملاحظہ ہو:

«وأما الطبقة العالية فهي بريئة في هذا القسم عن مثل هذه الطريقة الواهية،

⓫ ۔۔۔[یعنی ہمارے موضوع سے متعلق نہیں اس لئے اسے حذف کر دیا]

والحكم في هذين القسمين أن نفس أداء تلك الصلوات المخصوصة بتراكيب مختصة لا يضر ولا يمنع عنه ما لم تشتمل تلك الكيفية على أمر يمنع عنه الشرع ويزجر عنه، فإن وجدت كيفية تخالف الشريعة فلا رخصة في أدائها لأحد من أرباب المشيخة زعما منهم أن هذا ثابت في الطريقة وإن خالف الشريعة، لما ذكرنا سابقا أن الطريقة ليست مباينة للشريعة، ومن توهم ذلك فهو إما جاهل أو مجنون وإما غافل وإما مفتون.

لكن يشترط في الأخذ بها لا أن لا يهتم بها أزيد من اهتمام العبادات المروية لا سيما الواجبات والفرائض الشرعية، وأن لا يظنها منسوبة إلى صاحب الشريعة، ولا يتوهم ثبوت تلك الأحاديث المروية ولا يعتقد نسبتها واستحبابها كاستحباب العبادات الشرعية، ولا يلتزمها التزاما زجر عنه الشرع، فإن كل مباح أدى إلى التزام ما لم يلزم يكون مكرها [كذا في الأصل] في الشرع، ولا يعتقد ترتب الثواب المخصوص عليه كترتب الثواب المخصوص على ما نص عليه الرسول، ويشترط مع ذلك في كليهما ألا يجر التزامها وأدائها إلى إفساد عقائد الجهلة ولا يقضى إلى المفسدة بأن يظن ما ليس نسبه سنة وما هو سنة بدعة، ومن ثم منع صاحب البحر الرائق وغيره من أداء أربع الظهر بعد الجمعة وإن اختاره جمع من الفقهاء للعلة الاحتياطية، ثم أن القسم الأول يجب كون الاهتمام به أقل من الاهتمام بالقسم الثاني لئلا يورث ذلك إلى ظن الأحاديث الموضوعة غير موضوعة، بل لو قيل تركها لم يبعد عند العالم الرباني والله أعلم، علمه أحكم.

ولعمري وجود من يشتغل بها مع الشروط التي ذكرناها في زماننا هذا نادر وحكم أدائها بدون هذه الشرائط مما أسلفنا ذكره ظاهر، وكعلم [كذا في الأصل] من التزم بأنواع العبادات الثابتة بتركها الواردة كفى ذلك له في الدنيا والآخرة من غير حاجة إلى التزام هذه الصلوات المخترعة والعمل بالأحاديث المختلفة فافهم واستقم».

⑫ صلوٰۃ رغائب جائز ہے، عمرو کہتا ہے: بدعت ہے، "شامی" وغیرہ کتب فتاویٰ میں مصرح ہے[1]۔

---

[1] حضرت مولانا محمد یونس جونپوری رحمۃ اللہ علیہ نے "الیواقیت الغالیہ" (۲/۳۲۲) میں عند المحققین "صلوٰۃِ رغائب" کے من گھڑت ہونے کو تفصیل سے لکھا ہے، ملاحظہ ہو:

"حنفیہ میں سے صاحب "الدر المختار" نے (ص:۴۲۰ ج:۱) عیدین، نصف شعبان، رمضان کے عشرہ اخیرہ اور ذی الحجہ کے عشرہ اولیٰ کی شبِ بیداری کو مندوبات میں شمار کیا ہے، علامہ محمد امین بن عمر عابدین الشامی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں (ص:۴۶۰ ج:۱): «قد بسط الشُرُنْبُلاَلِي في الإمداد ما جاء في فضل هذه الليالي كلها». [ان تمام راتوں کی فضیلت میں جو کچھ آیا ہے شُرُنْبُلَالِی رحمۃ اللہ علیہ نے "امداد" میں اسے تفصیل سے لکھا ہے]

لیکن مسجد میں اجتماع اور جماعت سے نماز پڑھنا مکروہ ہے، صاحب "امداد الفتاح" نے فُرادیٰ یعنی تنہا پڑھنے کے ساتھ مقید کیا ہے، صاحب نور الایضاح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: «ويكره الاجتماع على إحياء ليلة من هذه الليالي في المساجد». [مساجد میں ان راتوں میں عبادت کے لئے جمع ہونا مکروہ ہے]

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں (ص:۴۶۱ ج:۱):

«و صرح بكراهة ذالك في الحاوي القُدْسِي وقال: وما روي من الصلوات في هذه الأوقات يصلى فرادى غير التراويح. قال في البحر: ومن ههنا يعلم كراهة الاجتماع على صلوة الرغائب التي تفعل في رجب في أول جمعة و أنها بدعة، ومايحتاله أهل الروم مِنْ نذرِها لتخرج عن النفل والكراهة فباطل اهـ.

قال ابن عابدين: وقد صرح بذلك في البزازية، وقد بسط الكلام عليها شارحا المنية، وصرحا بأن ماروي فيها باطل موضوع، وللعلامة نور الدين المَقْدِسِي فيها تصنيف حسن سماه "ردع الراغب عن صلوة الرغائب"، أحاط فيه بغالب كلام المتقدمين والمتأخرين من المذاهب الأربعة اهـ».

[اس کے مکروہ ہونے کی صراحت "الحاوی القُدُسی" میں کی گئی ہے، اور کہا ہے: ان اوقات میں تراویح کے علاوہ منقول نمازیں تنہا پڑھی جائیں گی، "بحر" میں کہا ہے: یہاں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ رجب کے پہلے جمعہ میں پڑھی جانے والی صلوۃ الرغائب کے لئے جمع ہونا مکروہ ہے اور یہ کہ یہ بدعت ہے، اور رومیوں کا نفل و کراہت

سے نکلنے کے لئے ان نمازوں کی نذر ماننے کا حیلہ باطل ہے، اھ۔

ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "بزازیہ" میں اس کی صراحت کی گئی ہے، "منیہ" کے دونوں شارحین نے ان پر تفصیل سے کلام کیا ہے، اور صاف کہا ہے کہ اس بارے میں منقول روایات باطل، موضوع ہیں، علامہ نورالدین مَقدِسی کی ان نمازوں کے بارے میں ایک اچھی تصنیف ہے، جس کا نام ہے "ردع الراغب عن صلوۃ الرغائب"، اس میں مصنف نے مذاہبِ اربعہ کے متقدمین ومتاخرین کے اکثر کلام کا احاطہ کر لیا ہے]

صلاۃ الرغائب کا بدعت ہونا تقریباً متفق علیہ ہے، حافظ ابن الصلاح اولاً یہی [یعنی بدعت ہونا] کہتے تھے پھر رجوع کر لیا اور استحباب کے قائل ہو گئے، شیخ عز الدین بن عبد السلام رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ اس کی تردید کرتے رہے اور منع کے قائل تھے، اس سلسلہ میں بعض حدیثیں بھی نقل کی جاتی ہیں مگر وہ باطل ہیں، سارے محققین فرماتے ہیں کہ صلوۃ الرغائب بدعت ہے، اور اس سلسلہ میں جو حدیث نقل کی جاتی ہے وہ موضوع ہے، ابو اسماعیل الانصاری رحمۃ اللہ علیہ، ابو بکر السمعانی رحمۃ اللہ علیہ، ابو الفضل بن ناصر رحمۃ اللہ علیہ، ابو الفرج بن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ، ابو شامہ رحمۃ اللہ علیہ، نووی رحمۃ اللہ علیہ (ص: ۳۶۱ج: ۱) ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ، ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ، ذہبی رحمۃ اللہ علیہ، ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ، عراقی رحمۃ اللہ علیہ، ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم نے اس کی تصریح کی ہے۔

حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ مزید تحریر فرماتے ہیں(الیواقیت الغالیہ ۲/۳۲۲):

اب ایک اور بات قابل تنبیہ ہے، وہ یہ کہ اب تک تو گفتگو تھی کہ شبِ براءت میں خاص طور سے اجتماعاً یا انفراداً بیدار رہنا کیسا ہے؟ اس کے بعد یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ اس رات میں مخصوص طریقے پر نماز پڑھی جاتی ہے اور اس میں متعدد روایات نقل کی جاتی ہیں، مگر وہ سب بے اصل و باطل ہیں، روایات مستقل فصل میں آرہی ہیں، شیخ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ "تحفۃ المحتاج" میں لکھتے ہیں(ص: ۲/۲۳۹):

«والصلاة المعروفة ليلة الرغائب ونصف شعبان بدعة قبيحة، وحديثها موضوع، وبين ابن عبد السلام وابن الصلاح مكاتبات وإفتاءات متناقضة، بيّنتُها مع ما يتعلق بها في كتاب مستقل سميته "الإيضاح والبيان لما جاء في ليلتي الرغائب والنصف من شعبان"، انتهى [أي: كلام ابن حجر المكي].

وقال التقي السبكي في تقييد التراجيح: الاجتماع لصلاة ليلة النصف من شعبان ولصلاة الرغائب بدعة مذمومة [انتهى كلام السبكي].

وقال النَوَوِي في شرح المهذب (ص :٤/٥٦): الصلاة المعروفة بصلاة الرغائب وهي ثنتي عشرة ركعة، تصلى بين المغرب والعشاء ليلة أول جمعة في رجب، وصلاة ليلة نصف شعبان مائة ركعة، وهاتان الصلاتان بدعتان ومنكرتان قبيحتان، ولا يُغْتَرُّ بذكرهما في كتاب قُوْتُ القلوب وإحياء علوم الدين ولا بالحديث المذكور فيهما، فإن كل ذلك باطل، ولا يُغْتَرُّ ببعض من اشتبه عليه حكمهما من الأئمة، فصنف ورقات في استحبابهما، فإنه غالط في ذلك، وقد صنف الإمام أبو محمد عبدالرحمن بن إسماعيل المقدسي كتابا نفيسا في إبطالهما، فأحسن فيه وأجاد، رحمه الله [انتهى كلام النووي].

وقال النَوَوِي - كما ذكر الزَبِيْدِي في الإتحاف (ص: ٤٢٧ ج: ٣)-: هاتان الصلاتان بدعتان موضوعتان منكرتان قبيحتان، ولا يُغْتَرُّ بذكرهما في كتاب القُوْت والإحياء، وليس لأحد أن يستدل على شرعيتهما بقوله ﷺ: الصلاة خير موضوع، فإن ذلك يختص بصلاة لا تخالف الشرع بوجه من الوجوه، وقد صح النهي عن الصلاة في الأوقات المكروهة اهـ » ''.

[شبِ رغائب ونصف شعبان کی مشہور نمازیں قبیح بدعت ہیں، اور ان کی احادیث من گھڑت ہیں، اور اس بارے میں ابن عبد السلام رحمۃ اللہ علیہ اور ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان خط و کتابت، نیز مخالف فتوؤں کا سلسلہ رہا ہے، جنہیں میں ان کے متعلقات سمیت ایک مستقل کتاب بنام ''الإيضاح والبيان لما جاء في ليلتي الرغائب والنصف من شعبان'' میں بیان کر چکا ہوں، انتہیٰ (یعنی ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام مکمل ہو گیا)

''تقیید تراجیح''، میں تقی سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: نصف شعبان کی رات، نیز صلاۃ الرغائب کے لئے لوگوں کا جمع ہونا مذموم بدعت ہے، انتہیٰ (یعنی تقی سبکی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام مکمل ہوا)

نووی رحمۃ اللہ علیہ ''شرح المهذب'' میں لکھتے ہیں: صلاۃ رغائب کے نام سے مشہور نماز بارہ رکعتوں والی نماز ہے، جو رجب کے پہلے شب جمعہ میں مغرب وعشاء کے درمیان پڑھی جاتی ہے، اور نصف شعبان کی رات والی نماز کی ایک سو رکعتیں ہیں، اور یہ دونوں نمازیں بدعت ہیں، منکر و قبیح ہیں، اور ان دونوں نمازوں کے ''قوت القلوب'' و ''احیاء علوم الدین'' میں مذکور ہونے کی وجہ سے، نیز ان کے بارے میں وارد ہونے والی احادیث کی وجہ سے، دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے، کیونکہ یہ سب باطل ہیں، اور ائمہ میں بعض حضرات پر ان کا حکم مشتبہ

⓭ عہد نامہ قبر میں رکھنا جائز ہے، عمرو کہتا ہے: جائز نہیں، شعائرِ روافض سے ہے۔

⓮ ۔۔۔[یعنی ہمارے موضوع سے متعلق نہیں اس لئے اسے حذف کر دیا]

⓯ بیس آیتیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکی میں نازل ہوئیں، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گاہے گاہے یہ خیال ہوتا تھا کہ کلام، اللہ کا، بیشک برحق ہے اور راست ہے، ولیکن ایک نام خدا کا ستار ہے، بیشک عائشہ رضی اللہ عنہا کی ستاری کرتا ہے، عمرو کہتا ہے: معاذ اللہ! یہ در پردہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمتِ عدم عصمت، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تہمتِ عدمِ وثوق کلام اللہ و عدمِ اعتبار خدا تعالیٰ اور خدا تعالیٰ پر تہمت کذب، «نعوذ بالله من الشرك والكفر».

⓰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وصیت کی کہ میرا گرز، میری قبر میں، میرے ساتھ رکھنا، عمرو کہتا ہے کہ «هذا بهتان عظيم».

ہو گیا ہے، ان کے اقوال سے بھی دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے، جس نے ان کے مستحب ہونے پر چند صفحات تصنیف کئے ہیں، کیونکہ وہ اس بارے میں غلطی کا شکار ہو گئے ہیں، ان نمازوں کے باطل کہلانے کے بارے میں امام ابو محمد عبد الرحمن بن اسماعیل مَقْدِسی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نفیس کتاب تصنیف کی ہے، اور مصنف نے اس میں بہت اچھا اور عمدہ کلام کیا ہے، اللہ ان پر رحمت فرمائے، انتہیٰ (یعنی امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام مکمل ہوا)۔

نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں - جیسا کہ زبیدی رحمۃ اللہ علیہ نے "اتحاف" میں کہا ہے- : یہ دونوں نمازیں بدعت، موضوع، منکر، قبیح ہیں، اور کسی کو اس سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے کہ یہ نمازیں تو "قوت" و "احیاء" میں مذکور ہیں، اور کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے بھی استدلال نہیں کر سکتا کہ "نماز مقررہ عبادات میں سب سے بہتر عبادت ہے"، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ایسی نماز کے ساتھ مخصوص ہے جو کسی بھی درجہ میں بھی شریعت کے مخالف نہ ہو، اور صحیح روایت ہے کہ مکروہ اوقات میں نماز پڑھنا ممنوع ہے، اھ]

⓱ ۔۔۔[یعنی ہمارے موضوع سے متعلق نہیں اس لئے اسے حذف کر دیا]

⓲ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ زمین نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھینچا، عمرو کہتا ہے: «أستغفر الله». یہ کھلا ہوا رفض ہے، جب منکر نکیر نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے «من ربك» کہا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نہیں سنتا، قریب آؤ، منکر نکیر گرز کو دیکھ کر ڈر گئے اور نزدیک نہ ہوئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ گرز لے کر بیٹھ گئے، تاکہ فرشتوں کو ماریں، قبر چند فرسخ کھل گئی، اور فرشتے بھاگ گئے، عمرو کہتا ہے کہ یہ قول بدیہی البطلان ہے۔

الغرض عمرو نے بہت سے مسائل کتاب ''ارشاد الطالبین'' کے مجمع عام میں رد کئے اور زید نہ آیا، مشت نمونہ از خروارے! یہ مسائل تردید کئے ہوئے عمرو کے، مختصراً لکھ کر فتوی چاہتا ہوں کہ قول زید کا موافق اہل سنت کے ہے، یا قول عمرو کا، مسائل نمبری ایک و دوو تین و چار و پانچ و چھ کا جواب کتب حنفیہ سے بروایات معتبرہ لکھئے اور تحریر فرمائے کہ زید و عمرو میں کون حق پر ہے؟ عمرو کہتا ہے کہ کتاب ''ارشاد الطالبین'' کو جب تک بہت سے علماء اہل سنت مل کر تصحیح نہ کر دیں، قابل عمل نہیں، عوام کو اس کتاب کا دیکھنا بھی نہ چاہئے، زید نے وعظ میں کہا کہ جو کتاب ''ارشاد الطالبین'' کو نہ مانے، وہ کافر ہے، آیا عمرو اور وہ لوگ جو اَب اس کو نہیں مانتے ہیں، کافر ہیں، یا مسلمان ہیں؟ اگر کافر نہیں ہوئے، تو زید اس کہنے سے کس بات کا شرعاً مستحق ہے؟ جواب ہر ہر بات کا صاف خط میں، جلد تحریر فرماکر بھیج دیجئے، کہ بہت سے مسلمان خلجان میں پڑے ہوئے ہیں، والسلام علیکم وعلی من اتبع الھدی.

جواب: ذیل از جناب برکت مآب زبدۃ العارفین عمدۃ المحدثین حضرت مولانا مولوی رشید احمد صاحب مد فیوضہم گنگوہی و علمائے دیوبند۔

۔۔۔۔ان مسائل میں قول عمرو صحیح ہے اور قول زید باطل واللہ اعلم!"[۱]۔

******

[۱] باقیات فتاوی رشیدیہ: ایک جاہل واعظ کی بیان کی ہوئی سات بے اصل باتوں کی حقیقت، ص:۵٦۸ – ۵۷۳، دار الکتاب لاہور۔

دوسرا باب: ارشاداتِ اکابرین

ارشادات حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ
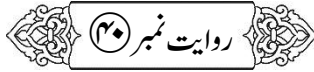
عمرہ حج اصغر ہے، اور ہر ایک حج، حج اکبر ہے

"**سوال:** جمعہ کے روز جو حج ہوتا ہے اس کو حج اکبری کہتے ہیں، اس کی کچھ اصل ہے یا نہیں، اور جمعہ کے حج میں زیادہ فضیلت ہے یا نہیں؟

جواب: اس کی اس قدر اصل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو اخیر حج کیا تھا وہ جمعہ کا دن ہوا تھا اور اس کے بارہ میں آیت: ﴿وَأَذَانٌ مِّنَ اللهِ وَرَسُوْلِهِ إِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ﴾. الآیۃ نازل ہوئی، باقی ویسے حج اکبر بمقابلہ حج اصغر کے ہے، عمرہ حج اصغر ہے اور ہر ایک حج، حج اکبر ہے۔ فقط!"[1]۔

---

[1] فتاوی دار العلوم دیوبند: جمعہ کو جو حج ہوتا ہے اسے اکبری کہتے ہیں اس کی اصل کیا ہے؟ ۴۸۱/۶ مکتبہ حقانیہ ملتان۔

حافظ ابن قیم الجوزیہ رحمۃ اللہ علیہ نے "زاد المعاد" (۱/ ۶۵) میں اسے (یعنی حدیث: جمعہ کے دن کا حج، حج اکبر ہے) باطل کہا ہے، نیز حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے "فتح الباری" (۸/ ۲۷۰) میں کہا ہے کہ مجھے اس حدیث کی معرفت نہیں ہے، علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے "شرح موطا" میں، اور علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے "فیض القدیر" میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو نقل کرنے پر اکتفاء کیا ہے، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے "رد المحتار" (۴/ ۴۷) میں علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ بعض حفاظ نے اسے باطل، بے اصل کہا ہے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے: کتاب غیر معتبر روایات کا فنی جائزہ، حصہ اول، ص: ۲۸۹۔

بعض مشہور من گھڑت روایات، نیز غیر مستند کتابیں

"**سوال**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین دربارۂ دعائے "کنز العرش مطبوعہ" و "عہد نامہ" و "درود لکھی" و "درودِ تُنْجِیْنَا" و "درود تاج" وغیرہ کہ ان کی جو خاصیات وتاثیرات اور اسناد وغیرہ لکھی ہوئی ہیں وہ صحیح ہیں یا نہیں؟ اور ان پر اعتقاد رکھنا چاہیئے یا نہیں؟

جواب: اسانید دعائے "کنز العرش" کی بالکل بے اصل اور بالیقین موضوع وباطل ہیں، ان اسانید کو دیکھنا اور اس پر اعتقاد کرنا جائز نہیں، اگر دیکھے تو رد کرنے کے لئے دیکھے جیساکہ روایاتِ موضوعہ کا حکم ہے، اور "عہد نامہ" کی اسانید کا بھی یہی حکم اور حال معلوم ہوتا ہے، اور "درود لکھی" کی اسناد محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کا خواب لکھا ہے، وہ حجتِ شرعیہ نہیں ہے، یعنی اگر بالفرض انہوں نے خواب میں ایسا دیکھا بھی ہو تو کچھ حجت نہیں ہے، اور بظاہر یہ خواب بھی صحیح نہیں ہے اور اس کی سند نہیں ہے، اور "درودِ تُنْجِیْنَا" کے بارے میں جو "مناہج الحسنات" سے قصہ نقل کیا ہے وہ ممکن ہے کہ صحیح ہو اور اس درود شریف کی برکت سے جہاز ڈوبنے سے بچ گیا ہو، مگر یقین اس سند کا بھی نہیں، البتہ ممکن ہے کہ ایسا ہوا ہو، لہٰذا اس کے انکار کی بھی ضرورت نہیں ہے، صرف اس قدر اعتقاد رکھے کہ اگر ایسا ہوا ہو تو ممکن ہے اور اس میں کوئی محذور [ممانعت] اور خرابی نہیں ہے۔

باقی رہا "درودِ تاج" اس کی جو کچھ خاصیتیں لکھی ہیں ان کا کچھ ثبوت شرعی

نہیں ہے، اور اس میں بعض الفاظ ایسے کہ اس کو پڑھنا نہ چاہئے، اور احتیاط اس کے ترک کرنے میں ہے، اور جو شخص ان تاثیرات کا اعتقاد نہ رکھے اس پر کوئی جرم شرعی اور گناہ عائد نہیں ہوتا، اور باعتبار عربیت کے "گنج العرش" کہنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ "العرش" عربی لفظ ہے، اور اس پر الف لام ہے اور "گنج" فارسی کا لفظ ہے اور "گنج" کو مضاف کیا ہے، "العرش" کی طرف، پس فارسی لفظ کو عربی لفظ کی طرف مضاف کرنا موافق تراکیب عربی الفاظ کے صحیح نہیں ہے، البتہ کنز العرش لفظ صحیح ہے، فقط!

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس امر میں کہ "نور نامہ" مروجہ کو چھاپنا، چھپوانا، بیچنا، پڑھنا اور سننا، ان باتوں سے گناہ ہوتا ہے یا ثواب؟ شرع شریف میں ان باتوں کے کرنے والے کے لئے کیا وعدہ یا وعید آئی ہے؟ «بینوا وتوجروا»!

جواب: "نور نامہ" مروجہ میں بے شک ایسی غلط اور موضوع روایات ہیں کہ ان کا شائع کرنا اور پڑھنا اور پڑھانا سخت گناہ اور معصیت ہے، حدیث صحیح میں ایسے لوگوں پر سخت وعید وارد ہوئی ہے: «عن عبد الله بن عمرو رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: بلغوا عني ولو آية، وحدثوا عن بني إسرائيل ولاحرج، ومن كذب عليّ متعمدا فليتبوأ مقعده من النار. رواه البخاري، وعن سمرة بن جندب والمغيرة بن شعبة عن عبد الله بن عمرو رضي الله عنهم قالا: قال رسول الله ﷺ: من حدث عني بحديث يرى أنه كذب فهو أحد الكاذبين. رواه مسلم». (مشكوة) پس چھاپنا اور چھپوانا ایسی کتابوں کا جن میں موضوع اور بے اصل روایات ہوں ہر گز

درست نہیں، بلکہ سخت گناہ اور موجبِ عذابِ الیم ہے، اور وعیدِ دخولِ نار اس کے لئے حدیث شریف میں وارد ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم!''[1]۔

******

[1] فتاوی دار العلوم دیوبند: موضوع اور بے اصل روایات والی کتب شائع کرنا، ۱۷/۱۹۱، مکتبہ حقانیہ ملتان۔
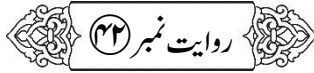
مشہور قضاءِ عمری کی نماز بے اصل ہے

’’**سوال:** ایک اردو کتاب میں تحریر ہے کہ کفارۂ قضاءِ عمری کے لئے نماز بترکیبِ ذیل ادا کرنی چاہئے، ہر رکعت میں آیت الکرسی ایک ایک مرتبہ اور سورۃ کوثر گیارہ گیارہ مرتبہ، بعد سورۃ فاتحہ پڑھے، یہ جائز ہے یا مکروہ، اور اسی طرح پر اور نمازوں کی نسبت بھی کئی کئی سورۃ مختلف مقامات کی ہر رکعت میں پڑھنے کے لئے تحریر ہے؟

جواب: اس کی کچھ اصل نہیں ہے، اور اس ترکیب سے نفل پڑھنے میں قضاءِ عمری حاصل نہیں ہوتی، اول تو خود قضاءِ عمری کی کچھ اصل نہیں ہے، بلکہ فقہاء نے اس کو مکروہ لکھا ہے، اور ثانیاً اس ہیئت اور کیفیت کے ساتھ پڑھنا قضاءِ عمری کے لئے [كذا في الأصل] ثابت نہیں ہے، اور یہ طریقہ قضا کا خلافِ قواعدِ شرعیہ ہے، قاعدہ یہ ہے کہ جس قدر نمازیں کسی کے ذمہ فائتہ ہوں بیقین یا بظن غالب ان کو قضا کرے، اور محض توہم کی بنا پر قضاءِ عمری ثابت نہیں ہے، بلکہ مکروہ ہے۔

’’شامی‘‘ میں ’’درمختار‘‘ کے اس قول پر: «وما نقل أن الإمام قضى صلوة عمر» الخ لکھا ہے: «أنه لم يصح ذلك عن الإمام الخ، فالوجه كراهة القضاء لتوهم الفساد» الخ. ص:۴۹۹‘‘[1]۔

---

[1] فتاویٰ دار العلوم دیوبند: قضاءِ عمری کا مروجہ طریقہ ثابت نہیں بے اصل ہے، ۲۹۰/۴، مکتبہ حقانیہ ملتان۔

ایک دوسرے طرز پر

"سوال: از کتاب "انیس الارواح" ص: ۲۴ مجلس نمبر ۱۳، فرمایا کہ امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرمائی ہے کہ جس شخص کی نمازیں اتنی قضا ہوگئی ہوں کہ اس کو یاد نہ ہوں، پس دوشنبہ کی رات کو پچاس رکعت نماز ادا کرے، اور ہر رکعت میں ایک دفعہ سورتِ فاتحہ اور ایک دفعہ سورتِ اخلاص پڑھے تو خدا تعالیٰ اس کی گزشتہ نمازوں کا کفارہ کرتا ہے، یہ صحیح ہے شرعاً یا نہیں؟

جواب: مسئلہ کا جواب یہ ہے کہ احادیث وفقہ سے یہ ثابت ہے کہ جس قدر نمازیں قضا ہوں ان سب کی قضاء کرنی چاہیے، اور اگر قضا نمازیں یاد نہ ہوں کہ کس قدر ہیں تو ان کے بارہ میں یہ حکم ہے کہ اندازہ کرے کہ اس قدر نماز میرے ذمہ ہیں اسی قدر قضا کرے، اور جو روایت آپ نے کتاب "انیس الارواح" سے

روایتِ قضائے عمری کو ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے "اسرار المرفوعہ" (ص:۳۴۲) اور "المصنوع" (ص:۱۹۱) میں باطل کہا ہے۔ علامہ عجلونی رحمۃ اللہ علیہ نے "کشف الخفاء" (۲/۳۲۱) میں اور علامہ لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے "آثار المرفوعہ" (ص:۸۵) میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے کلام پر اعتماد کیا ہے، علامہ پٹنی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے جھوٹ کہا ہے (دیکھئے: ردع الاخوان: ص:۶۰)، علامہ ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ نے "تحفۃ المحتاج بشرح المنہاج" (۱/۴۲۴) میں اسے حرام قرار دیا ہے، علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے "شرح مواہب اللدنیۃ" (۹/۴۶۴) میں علامہ ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کو نقل کرنے پر اکتفاء کیا ہے، شاہ عبد العزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے "عجالہ نافعہ" میں اسے خلاف عقل اور جھوٹ قرار دیا ہے (دیکھئے: ردع الاخوان: ص:۵۹)، علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے "فوائد مجموعہ" (ص:۷۹) میں اسے من گھڑت قرار دیا ہے، علامہ محمد درویش حوت رحمۃ اللہ علیہ نے "اسنی المطالب" (ص:۳۰۵) میں اسے بے اصل کہا ہے، علامہ لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے "الاجوبۃ الفاضلہ" (ص:۳۲) اور "ردع الاخوان عن محدثات آخر جمعۃ رمضان" (ص:۶۳) میں اسے باطل، من گھڑت قرار دیا ہے۔

نقل کی ہے اس کی کچھ اصل اور سند معلوم نہیں ہے، اور نہ یہ کہ یہ روایت حدیث کی کسی کتاب میں ہے، اور یہ روایت اگر ثابت ہو جائے تو اس پر محمول ہے کہ جس قدر نمازیں فوت شدہ اس کو یاد ہوں ان کو قضا کرے اور جو نمازیں لاعلمی سے رہ جائیں ان کے لئے عمل مذکور کرے، فقط!"[1]۔

ایک اور انداز سے

"**سوال:** رمضان شریف کے آخری جمعہ میں قضاءِ عمری پڑھی جاتی ہے وہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب: رمضان شریف کے آخری جمعہ میں قضاءِ عمری بطریقِ مخصوص پڑھنا ثابت نہیں ہے، "شامی" میں ہے کہ امام صاحب کی طرف اس کو منسوب کرنا صحیح نہیں ہے، اور فخر الاسلام رحمۃ اللہ علیہ اور قاضی خاں رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی کراہت نقل کی ہے، لہٰذا اس کو چھوڑنا چاہئے، فقط!"[2]۔

ایک دوسرے انداز سے

"**سوال:** قضائے عمری احتیاطاً پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: قضاءِ عمری علی توہم الفساد پڑھنا امام صاحب سے ثابت نہیں، اور صحیح یہ

---

[1] فتاوی دار العلوم دیوبند: قضاء عمری کا جو طریقہ مروجہ بعض کتابوں میں منقول ہے ثابت نہیں، ۲۹۹/۴، مکتبہ حقانیہ ملتان۔

[2] فتاوی دار العلوم دیوبند: رمضان کے اخیر جمعہ میں قضاءِ عمری کا رواج ثابت نہیں، ۳۰۲/۴، مکتبہ حقانیہ ملتان۔

ہے کہ مکروہ ہے، پس جب اصل ہی ثابت نہیں تو اس پر دیگر تفریعات صحیح نہ ہوگی، اور ایسے موقع پر کمال ونقصان سے بحث فضول ہے، «ثبت العرش ثم نقش» فقط!'' [۱]۔

******

[۱] فتاوی دار العلوم دیوبند: قضاء عمری، ۳۰۶/۴، مکتبہ حقانیہ ملتان۔

روایت نمبر (۴۳)
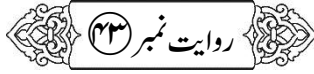
«تصدقوا لموتاكم قبل الدفن. تفدوا لموتاكم بعد الدفن. والسنة أن يتصدق ولي الميت قبل مضي الليلة الأولى بما تيسر». میت کو دفن کرنے سے پہلے کچھ صدقہ کر دیا کرو، میت کو دفن کرنے کے بعد کچھ صدقہ کر دیا کرو، سنت یہ ہے کہ میت کا ولی پہلی رات گزرنے سے پہلے بسہولت کچھ صدقہ کیا کرے"، یہ روایات بے اصل ہیں

"**سوال:** «تصدقوا لموتاكم قبل الدفن الخ تفدوا لموتاكم بعد الدفن الخ». شرح برزخ وزاد الآخرہ وغیرہ کتب فقہ میں ہے، دستور یہاں پر یہ ہے کہ ورثۂ میت حسبِ مقدور، حفاظ و قراء وعلماء وطلباء ودیگر فقراء ومساکین کو دعوت دیکر جمع کرکے، خیرات کبھی تو بعد الدفن اور کبھی قبل الدفن اور کبھی بعد جنازہ اور کبھی قبل جنازہ، واسطے آسانی اور فائدہ مردے کے دے دیا کرتے ہیں، اور "طحطاوی شرح مراقی الفلاح" میں ہے: «والسنة أن يتصدق ولي الميت قبل مضي الليلة الأولى بما تيسر الخ». کیا یہ روایتیں صحیح ہیں اور یہ صورتِ مسئولہ جائز ہے یا کیا؟

جواب: یہ روایات بے اصل ہیں، اور خرابیٔ استیجار علی التلاوت یہاں بھی ہے، اور یہاں «المعروف كالمشروط» مسئلہ ہے، اور ایسے پڑھنے سے ثواب نہیں ہوتا، «كما حققه في الشامي بما لا مزيد عليه»."[1]

---

[1] فتاوی دار العلوم دیوبند: بعض روایتوں کے متعلق سوال، ۵/۳٦٦ مکتبہ حقانیہ ملتان۔

”سوا لاکھ دفعہ کلمہ شریف پڑھ کر اگر میت کو بخشا جاوے تو مغفرت کی امید ہے“، یہ روایت کسی حدیث کی کتاب میں نظر سے نہیں گزری

”سوال: سوا لاکھ دفعہ کلمہ شریف پڑھ کر اگر میت کو بخشا جاوے تو امید مغفرت کی ہے، یہ روایت کون سی کتاب میں ہے، «لا اله إلا الله» پڑھنا چاہیئے یا «محمد رسول الله» بھی ملایا جاوے؟

جواب: یہ روایت کسی حدیث کی کتاب میں نظر سے نہیں گزری، بعض مشائخ نے اس کو نقل فرمایا ہے، لہٰذا عمل اس پر درست ہے، اور معمول «لا إله إلا الله محمد رسول الله(ﷺ)» پڑھنے کا نہیں، بلکہ صرف «لا إله إلا الله» کا اور کبھی کبھی «محمد رسول الله(ﷺ)» ملانے کا ہے، اور حدیث ”ترمذی“ و ”ابن ماجہ“ میں ہے: «أفضل الذكر لا إله إلا الله» الحدیث، فقط!“[1]

---

[1] فتاوی دار العلوم دیوبند: سوا لاکھ کلمہ پڑھ کر ایصال ثواب کی روایت کہاں ہے، ۳۸۲/۵ مکتبہ حقانیہ ملتان۔

حافظ نجم الدین غیطی رحمۃ اللہ علیہ نے ”الابتهاج بالكلام على الاسراء والمعراج“ (مخطوط:ص:۵) میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ وہ اس روایت کو باطل، من گھڑت قرار دیتے تھے، نیز حافظ نجم الدین غیطی رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ اکابر صوفیاء کی اقتداء اور ان کے افعال کے تبرک حاصل کرنے کے لئے اس عمل کو کرلینا چاہیئے، حافظ نجم الدین غیطی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت ملاحظہ ہو:

«ويشبهها ما يتداوله السادة الصوفية من قول لا إله إلا الله سبعين ألف مرة، و يذكرون أن الله تعالى يعتق بها رقبة من قالها، واشترى بها نفسه من النار، و يحافظون

على فعلها لأنفسهم و لمن مات من أهالهم و إخوانهم، وقد ذكرها الإمام اليافعي [كذا في الأصل، وفي خلاصة الأثر: الرافعي] والعارف بالله الكبير المحيوي [كذا في الأصل] بن عربي، و أوصى بالمحافظة عليها، و ذكروا أنه قد ورد فيها خبر نبوي، وحكوا أن شابا صالحا كان من أهل الكشف ماتت أمه، فصاح و بكا وخر مغشيا عليه، ثم سئل عن سبب ذلك؟ فذكر أنه رأى أمه في النار، وكان بعض المشايخ من السادة حاضرا، وكان قد قال هذه السبعين ألفا، وأراد أن يعدها لنفسه، فقال في نفسه عندما سمع قول الشاب المذكور: اللّٰهُمَّ إنك تعلم أني هللت هذه السبعين ألف تهليلة و أريد أدخرها لنفسي، و أشهدك أني قد اشتريت بها أم هذا الشاب من النار، فما استتم هذا الورد إلا وتبسم الشاب، وسر، و قال: الحمد لله، أرى أمي قد خرجت من النار، و أمر لها إلى الجنة، قال الشيخ المذكور: فحصل لي فائدان: صدق الخبر المذكور و صحته و كشف هذا الشاب، انتهى لك الحديث المذكور.

قال بعض المشايخ: لم ترد به السنة فيما أعلم، و قد وقفت على صورة سؤال للحافظ ابن حجر رحمه الله عن هذا الحديث، و هو: من قال لا إله إلا الله سبعين ألفا اشترى نفسه من الله تعالى، هل هو حديث صحيح أو حسن أو ضعيف؟ و صورة جوابه: أما الحديث يعني المذكور فليس بصحيح ولا حسن ولا ضعيف، بل هو باطل موضوع، لاتحل روايته إلا مقرونا ببيان حاله انتهى، لكن ينبغي للشخص أن يفعلها إقتداء بالسادة الصوفية و امتثالا لقول من أوصى بها وتبركا بأفعالهم، وقد ذكرها الشيخ الزاهد الولي العارف بالله سيدي محمد بن عراق نفعنا الله ببركاته في بعض سفيناته [كذا في الأصل] المؤلفة، وقال: كان شيخه يأمره بها، و ذكر أن بعض إخوانه ذكر له بعض الصلحا أنه كانت له سبحة عدها ألفا [كذا في الأصل]، و كان يريدها سبعين مرة من بعد صلاة الصبح إلى طلوع الشمس [كذا في الأصل]، وقال: وهذه كرامة له من الله تعالى، فنسأل الله تعالى أن يمن علينا بذلك وأن يلحقنا بعباده الصالحين انتهى».

یہی تمام تفصیل علامہ محمد امین بن فضل اللہ محبی رحمۃ اللہ علیہ نے "خلاصۃ الاثر فی اعیان القرن" (۱/۴۷۳) میں نقل کی ہے، اور آخر میں حافظ نجم الدین غیطی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے۔

روایت نمبر ۴۵

"مشہور ہے جو شخص عشرۂ محرم میں فوت ہوا اسے عشرہ کے اندر عذاب قبر نہیں ہوتا، نہ حساب ہوتا ہے"، یہ بات غلط ہے

"**سؤال:** مشہور ہے جو شخص عشرۂ محرم میں فوت ہوا اس سے [كذا في الاصل] عشرہ کے اندر عذاب قبر نہیں ہوتا، نہ حساب ہوتا ہے، بعد دس روز کے حساب وغیرہ ہوگا، یہ صحیح ہے یا نہیں؟

جواب: یہ بات غلط ہے، عشرۂ محرم میں مرنے والے کے لئے یہ نہیں آیا کہ دس دن تک عذاب قبر وغیرہ نہ ہوگا، البتہ رمضان شریف میں اور جمعہ کے دن مرنے والے کے لئے یہ بشارت حدیث میں آئی ہے، فقط!"[1]۔

*****

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ "مجموع الفتاوی" (۲۴/ ۱۸۰) میں فرماتے ہیں یہ روایت کسی صحیح یا ضعیف حدیث سے ثابت نہیں ہے، یعنی اس کی کوئی ادنی سند بھی نہیں ہے، تاہم اگر کوئی شخص لا الہ الا اللہ ستر ہزار یا کم وبیش مقدار میں پڑھ کر میت کو ایصال ثواب کرے گا تو اللہ اس کا نفع اسے پہنچا دیں گے، عبارت ملاحظہ ہو:

«وسئل عمن هلل سبعين ألف مرة وأهداه للميت يكون براءة للميت من النار. حديث صحيح أم لا؟ وإذا هلل الإنسان وأهداه إلى الميت يصل إليه ثوابه أم لا؟ فأجاب: إذا هلل الإنسان هكذا سبعون ألفا أو أقل أو أكثر وأهديت إليه نفعه الله بذلك، وليس هذا حديثا صحيحا ولا ضعيفا، والله أعلم».

[1] فتاوی دار العلوم دیوبند: عشرہ محرم میں مرنے والے کی بحث، ۵/ ۴۰۴ مکتبہ حقانیہ ملتان۔

روایت نمبر (۴۶)
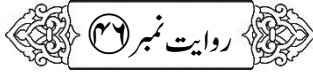
”دیوار پر تحریر کرنا مقروض ہونے کا باعث ہے، اور شام کے وقت جھاڑو دینا منع ہے، اور جمعرات کو رات کے وقت دستر خوان جھاڑنا منع ہے“، ان اُمور کی کچھ اصل نہیں ہے

”**سوال**: عوام میں مشہور ہے کہ دیوار پر تحریر کرنا باعث مقروض ہونے کا ہے، اور شام کے وقت جھاڑو دینا منع ہے، اور جمعرات کو رات کے وقت دستر خوان جھاڑنا منع ہے؟

جواب: ان اُمور کی کچھ اصل نہیں ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم!“[۱]۔

*****

[۱] فتاویٰ دار العلوم دیو بند: دیوار پر لکھنا، شام کے وقت جھاڑو دینا، اور شب جمعرات کو دستر خوان جھاڑنا کیسا ہے؟ ۲۸۸/۱۷ مکتبہ حقانیہ ملتان۔

روایت نمبر ۴۷

«عند ذكر أولياء الله تنزل الرحمة». اللہ کے اولیاء کے تذکروں میں اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے"،

یہ کسی بزرگ کا مقولہ ہے، غالباً حدیث نہیں ہے

"**سوال**: «عند ذكر أولياء الله تنزل الرحمة». حدیث ہے یا نہیں؟ اگر حدیث ہے تو کس کتاب کی؟

جواب: «عند ذكر أولياء الله» الخ کسی بزرگ کا مقولہ ہے، غالباً حدیث نہیں ہے۔[1]

---

[1] فتاوی دار العلوم دیوبند: چند اقوال واحادیث کی تحقیق و تخریج، ۱۸/۱۴۷ مکتبہ حقانیہ ملتان۔

حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ "المقاصد الحسنہ" (ص:۳۳۸) میں فرماتے ہیں: "حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ روایت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے طور پر یاد نہیں، اور ان سے پہلے ان کے شیخ حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے "احیاء" کی تخریج میں کہا ہے کہ اس کی اصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں نہیں ملتی، اور یہ سفیان ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، یہی بات حافظ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کہی ہے"۔

حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کے ان اقوال پر علامہ عجلونی رحمۃ اللہ علیہ نے "کشف الخفاء" (۲/ ۸۱) میں، علامہ محمد بن درویش الحوت رحمۃ اللہ علیہ نے "اسنی المطالب" (ص:۱۸۹) میں، علامہ ابن دیبع رحمۃ اللہ علیہ نے "تمییز الطیب" (ص:۱۲۵) میں، علامہ نجم الدین غزی رحمۃ اللہ علیہ نے "اتقان" (ص:۲۹۰) میں، اور علامہ پٹنی رحمۃ اللہ علیہ نے "تذکرۃ الموضوعات" (ص:۱۹۳) میں اکتفاء کیا ہے۔

حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ مزید یہ بھی فرماتے ہیں: "ابو عمرو بن نُجَیْد نے جعفر بن حمدان سے پوچھا کہ میں احادیث کس نیت سے لکھوں؟ انہوں نے جواب دیا کہ کیا تم یہ خیال رکھتے ہو کہ نیک لوگوں کے تذکرہ میں رحمت نازل ہوتی ہے؟ ابو عمرو نے کہا کہ جی ہاں! ابن حمدان نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو نیک لوگوں کے سردار ہیں"۔

روایت نمبر ۴۸

«لولاك لما خلقت الأفلاك». اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ اگر آپ نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا"، یہ حدیث نہیں ہے، بزرگوں کے مکشوفات میں سے ہے، اور اس کا مضمون محققین کے نزدیک صحیح ہے

"**سوال**: «لولاك لما خلقت الأفلاك». حدیث ہے یا نہیں؟ اور صحاح ستہ وغیرہ میں مذکور ہے یا نہیں؟

جواب: یہ حدیث نہیں ہے، اور کسی کتاب حدیث مثل صحاح ستہ وغیرہ میں مذکور نہیں ہے، بلکہ بزرگوں کے مکشوفات میں سے ہے، اور مضمون اس کا عند المحققین صحیح ہے، جیسا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ نے اپنے قصیدہ مدحیہ میں یہ شعر بھی لکھا ہے:

لیکن ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے "الاسرار المرفوعہ" (ص:۲۴۹) میں حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: "اگر یہ لفظ دو واو کے ساتھ "ترُوُون" ہو تو یہ کسی نہ کسی درجہ میں اس پر دلالت کر رہا ہے کہ یہ حدیث ہے اور اس کی کوئی اصل موجود ہے، اور اگر یہ "ترون" رؤیہ سے ہو، خواہ مجہول ہو یا معروف، تو پھر اس پر دلالت نہ ہوگی کہ یہ حدیث ہے اور اس کی کوئی اصل ہے، کیونکہ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ تم اعتقاد کرتے ہو یا گمان کرتے ہو۔

اسی طرح ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ ہی نے "المصنوع" (ص:۱۲۵) میں اسے سفیان ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول قرار دیا ہے۔ علامہ عبد الکریم غزی رحمۃ اللہ علیہ "الجد الحثیث" (ص:۱۴۹) میں اور علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ "الفوائد المجموعہ" (ص:۳۱۹) میں لکھتے ہیں کہ حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بے اصل کہا ہے۔ علامہ قاوقجی رحمۃ اللہ علیہ نے "اللؤلؤ المرصوع" (ص:۱۲۴) میں حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو نقل کرنے پر اکتفاء کیا ہے۔

جو تو اُسے نہ بناتا تو سارے عالم کو نصیب ہوتی نہ دولت وجود کی زِنُہَار [ہرگز]۔

اسی طرح دیگر اکابر اولیاء امت نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ فقط، واللہ تعالی اعلم!"[۱]۔

*****

[۱] فتاوی دار العلوم دیوبند: «لولاك لما خلقت الافلاك» حدیث ہے یا نہیں؟ ۱۴۷/۱۸ مکتبہ حقانیہ ملتان۔

درج ذیل علماء نے اس روایت کو من گھڑت کہا ہے: حافظ صغانی رحمۃ اللہ علیہ (حافظ صغانی رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ، علامہ طاہر پٹنی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ عجلونی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے اعتماد کیا ہے)، حافظ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ، حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ (اکتفاءً علی قول الذہبی رحمۃ اللہ علیہ)، امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (اکتفاءً علی قول ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ)، علامہ ابن عراق رحمۃ اللہ علیہ، علامہ محمد بن خلیل بن ابراہیم المشیشی الطرابلسی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ عبد الحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: کتاب غیر معتبر روایت کا فنی جائزہ، حصہ دوم، ص: ۱۱۱۔

روایت نمبر ۴۹

«لا يسعني سمائي ولا أرضي ولكن يسعني قلب عبدي المؤمن». میرے آسمان اور زمین مجھے نہیں سما سکے، البتہ میرے مومن بندہ کا دل مجھے اپنے میں سما لیتا ہے"، ان الفاظ سے اس حدیث کی کچھ اصل نہیں ہے، البتہ اس کے ہم معنی ایک دوسری حدیث ثابت ہے

سوال: حدیث: «لا يسعني سمائي ولا أرضي ولكن يسعني قلب عبدي المؤمن». یہ حدیث کون سی کتاب میں ہے؟ اور اس مضمون کی کوئی آیت قرآن شریف میں ہے یا نہیں؟ اور حدیث مذکورہ کس درجہ کی ہے؟

جواب: حدیث: «لا يسعني سمائي ولا أرضي» الخ بتغیر یسیر "احیاء العلوم" امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ میں مذکور ہے، الفاظ اس کے یہ ہیں: «لم يسعني أرضي ولا سمائي ووسعني قلب عبدي المؤمن». لیکن "احیاء العلوم" کے شراح اور مُخَرِّجِین نے فرمایا کہ بایں الفاظ اس حدیث کی کچھ اصل نہیں، البتہ اس کے ہم معنی دوسری حدیث ابو عتبہ [اصل میں اسی طرح ہے] خولانی رضی اللہ عنہ سے جن کی صحابیت مختلف فیہ ہے مرفوعاً مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «إن لله آنية من أهل الأرض، وآنية ربكم قلوب عباده الصالحين، وأحبها إليه وألينها وأرقها». اور اس حدیث کی سند کو امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حسن کہا ہے، پس الفاظ «آنية ربكم قلوب عباده الصالحين» کا حاصل وہی ہے جو «لكن يسعني قلب عبدي المؤمن» کا ہے، اور تحقیق اور

تفصیل اس کی طویل ہے، اور خود قرآن مجید میں ہے: ﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهِ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ﴾. (سورۂ نور، آیت:۳۵)
«قال صاحب الجلالين: مَثَلُ نُورِهِ، أي: صفته في قلب المؤمن. كَمِشكوةٍ فِيهَا مِصبَاحٌ، اَلمِصبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ». پس اس آیتِ کریمہ میں مشکوۃ یعنی طاق سے مراد قلبِ مؤمن ہے اور مصباح سے مراد نورِ باری تعالیٰ ہے، پس وسعتِ قلبِ عبدِ مؤمن اور اس کا بمعنی چراغ تجلی گاہ حق تعالیٰ ہونا اس آیت سے بھی ثابت ہے، اور صوفیاء کرام اس کے معنی کی صحت پر متفق ہیں، نیز آیت کریمہ: ﴿إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنهَا﴾. (سورۂ احزاب، آیت:۷۲) میں امانت کی تفسیر معرفت کے ساتھ بھی کی گئی ہے، «کما فی التفسیر الکبیر للإمام الرازي». پس آسمان و زمین کا اس کا متحمل نہ ہونا اور انسان کا اس کو متحمل ہونا بھی اس مضمون پر دال ہے، فقط، واللہ تعالیٰ اعلم!''[1]۔

---

[1] فتاوی دار العلوم دیوبند: «يسعني قلب عبدي المؤمن» حدیث ہے یا نہیں؟ ۱۸/۱۴۸ مکتبہ حقانیہ ملتان۔

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس روایت کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنداً ثبوت نہیں ہے، دیکھئے: ''مجموع الفتاوی'' (۱۸/۱۷)۔ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے انتساب سے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''المصنوع'' (رقم:۳۳۱) میں، علامہ ابن عراق رحمۃ اللہ علیہ نے ''تنزیہ الشریعہ'' (۱/۱۴۸) میں، علامہ محمد بن طاہر پٹنی رحمۃ اللہ علیہ نے ''تذکرۃ الموضوعات'' (ص:۳۰) میں اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے، علامہ محمد بن محمد درویش رحمۃ اللہ علیہ نے ''اسنی المطالب'' (رقم:۱۰۲۲) میں، امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الدرر المنتثرۃ'' (رقم:۳۱۷) میں، علامہ محمد امیر مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے ''النخبۃ البہیۃ'' (رقم:۱۰۳) میں اس روایت کو بے اصل کہا ہے۔

دیگر تفصیلات کے لئے دیکھئے: کتاب غیر معتبر روایات کا فنی جائزہ، حصہ اول، ص:۳۳۱۔

روایت نمبر ۵۰

«أوتيت علم الأولين والآخرين». مجھے اولین وآخرین کا علم ملا ہے“، یہ حدیث کسی کتاب حدیث میں نظر سے نہیں گزری

”سوال: حدیث: «أوتيت علم الأولين والآخرين». کس کتاب میں ہے؟ اور اس سے کون حضرات مراد ہیں؟ یعنی اولین اور آخرین سے، اور آخرین کے حصول علم کی آپ کو کیا صورت ہوگی؟

جواب: یہ حدیث کسی کتاب حدیث میں نظر سے نہیں گذری، اس وقت بھی تتبع کتب احادیث کا کیا گیا، یہ حدیث بالفاظ مذکورہ نہیں ملی، البتہ ”جامع صغیر“ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ میں ان الفاظ سے منقول ہے: «أوتيت مفاتيح كل شيء إلا الخمس إن الله عنده علم الساعة» الآية. سو یہ حدیث علم غیب کی خود نفی کرتی ہے، اور اگر حدیث: «علمت [كذا في الأصل] علم الأولين والاخرين». ثابت ہو جائے تو پھر مطلب اس کا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علم تمام مخلوق اولین وآخرین کے علم سے زیادہ اور اکمل اور اقوی ہے، اور علم ذات وصفات باری تعالیٰ جیسا آپ کو تھا ایسا اولین وآخرین کو نہیں تھا، فقط، واللہ تعالی اعلم!“[1]

*****

[1] فتاوی دار العلوم دیوبند: «أوتيت علم الأولين والآخرين» حدیث ہے یا نہیں؟ ۱۴۹/۱۸ مکتبہ حقانیہ ملتان۔

روایت نمبر (۵۱)

«لاصلوة إلا بحضور القلب». ”دل کی توجہ کے بغیر کوئی نماز نہیں“، ان الفاظ کے ساتھ کتبِ احادیث میں کوئی حدیث نہیں

”**سؤال:** «لاصلوة إلا بحضور القلب». اس حدیث کی تنقید بیان کی جاوے، اگر یہ قول ہے تو کس کا ہے؟ اور ماخذ کیا ہے؟

جواب: ان الفاظ کے ساتھ کتبِ احادیث میں کوئی حدیث نہیں کہ جس کی تنقید کی جاوے، ”احیاء“ میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے تابعین کے چند آثار نقل کئے ہیں کتاب مذکور میں دیکھے جاویں، فقط“[1]۔

ایک دوسرے انداز سے

”**سؤال:** کتاب ”بوستاں“ معرفت مثنوی مولانا روم دفتر سوم، ص: ۲۴۰ میں لکھا ہے: «لاصلوة إلا بحضور القلب». حدیث کا حوالہ دیتے ہیں یہ صحیح ہے یا نہ؟

جواب: بعض مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کو نقل کیا ہے، اور مضمون صحیح ہے، کیونکہ مراد «لاصلوة إلا بحضور القلب». سے یہ ہے کہ کمال نماز بدوں خشوع و خضوع و حضور قلب کے حاصل نہیں ہوتا، کما قال اللہ تعالی:

---

[1] فتاوی دار العلوم دیوبند: «لاصلوة إلا بحضور القلب» حدیث ہے یا نہیں؟ ۱۵۲/۱۸ مکتبہ حقانیہ ملتان۔

﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ﴾. الآية.
(سورۂ مؤمنون، آیت: ۱۔۲) [بالتحقیق ان مسلمانوں نے فلاح پائی جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں] لیکن ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث ثابت نہیں ہے، فقط، واللہ تعالیٰ اعلم!"[1]۔

******

[1] فتاویٰ دار العلوم دیوبند: «لاصلوة إلا بحضور القلب» حدیث ہے یا نہیں؟ ۱۸/۱۵۲ مکتبہ حقانیہ ملتان۔

روایت نمبر (۵۲)

«من عرف نفسه فقد عرف ربه».
”جس نے اپنے آپ کو پہچانا اس نے اپنے پروردگار کو پہچان لیا“،
یہ حدیث نہیں ہے، کسی بزرگ کا قول ہے

”**سوال:** «من عرف نفسه فقد عرف ربه». حدیث ہے یا نہیں؟

جواب: حدیث نہیں ہے، کسی بزرگ کا قول ہے، فقط، واللہ تعالیٰ اعلم!“[1]

*****

---

[1] فتاوی دار العلوم دیوبند: «من عرف نفسه فقد عرف ربه» حدیث ہے یا نہیں؟۱۸/۱۵۴ مکتبہ حقانیہ ملتان۔

حافظ صغانی رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے موضوعات میں شمار کیا ہے، دیکھئے: موضوعات الصغانی (ص:۳۵)، المصنوع (ص:۱۸۹)۔ نیز حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ”المقاصد الحسنہ“ (ص۶۵۷) میں، حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ”الدرر المنتثرۃ“ (ص:۱۸۵) میں، علامہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ نے ”اللآلئ المنثورۃ“ (ص:۸۶) میں، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ”الاسرار المرفوعہ“ (ص:۲۳۷) میں، علامہ محمد بن محمد درویش رحمۃ اللہ علیہ نے ”اسنی المطالب“ (رقم:۱۴۳۵) میں، علامہ احمد بن عبد الکریم غزی رحمۃ اللہ علیہ نے ”الجد الحثیث“ (رقم:۲۳۲) میں، علامہ محمد امیر مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے ”النخبۃ البہیۃ“ (ص:۱۲۱) میں، اور علامہ محمد بن خلیل طرابلسی رحمۃ اللہ علیہ نے ”اللؤلؤ المرصوع“ (رقم:۵۹۴) میں حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کو نقل کرنے پر اکتفاء کیا ہے۔

«لا تجعلوا بطونكم مقابر الحيوانات». اپنے پیٹ کو جانوروں کی قبر نہ بناؤ“، یہ کوئی حدیث نہیں ہے

”**سؤال**: «لا تجعلوا بطونكم مقابر الحيوانات». [اپنے پیٹ کو جانوروں کی قبر نہ بناؤ] حدیث ہے یا نہ؟ اور حدیث تم رحم کرو زمین والوں پر آسمان والا تم پر رحم فرمادے گا، درست ہے یا نہ؟

جواب: «لا تجعلوا بطونكم» الخ کوئی حدیث نہیں ہے، یہ قول غلط ہے، تم رحم کرو زمین والوں پر الخ، یہ حدیث اس طرح ہے: «ارحموا من في الأرض يرحمكم من السماء». [تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا] شروع اس حدیث کا اس طرح ہے: «الراحمون يرحمهم الرحمن. الحديث». [رحم کرنے والوں پر رحمن بھی رحم کرتا ہے] فقط، واللہ تعالیٰ اعلم“[1]۔

---

[1] فتاوی دار العلوم دیوبند: یہ حدیث نہیں ہے کہ تم اپنے پیٹوں کو جانوروں کا قبرستان مت بناؤ، ۱۶۰/۱۸، مکتبہ حقانیہ ملتان۔

واضح رہے کہ علماء کی ایک جماعت نے اسے بعض حکماء کا قول قرار دیا ہے، چنانچہ علامہ علی بن عقیل بغدادی حنبلی رحمۃ اللہ علیہ (۴۳۱ھ / ۵۱۳ھ) ”کتاب الفنون“ (ص: ۲۰۳) میں لکھتے ہیں:

«إن جاء الحكماء بما واطأ العقل، كقول القائل منهم للتلاميذ استثارة للرحمة والرأفة: يا هؤلاء! لا تجعلوا بطونكم مقابر الحيوان! ... ».

علامہ عبد الرؤف مناوی رحمۃ اللہ علیہ ”فیض القدیر“ (۵۲/۲) میں لکھتے ہیں: «وكبعض الحكماء حيث قال: يا أبناء الحكمة! لا تجعلوا بطونكم قبورا للحيوان».

روایت نمبر (۵۴)

«من جدد قبرا أو تمثالا فقد خرج عن الإسلام». جس نے کسی قبر یا مجسمہ / تصویر کی تجدید کی وہ اسلام سے نکل گیا"، یہ من گھڑت ہے

"**سوال:** یہاں مُحرّمات محرم کی موافقت و مخالفت میں مسلمان خانہ جنگی میں مبتلاہیں، ایک صاحب نے یہ حدیث بیان فرمائی ہے: «من جدد قبرا أو تمثالا فقد خرج عن الإسلام». [جس نے کسی قبر یا مجسمہ / تصویر کی تجدید کی وہ اسلام سے نکل گیا] آیا یہ کسی کتاب کی حدیث ہے یا کسی بزرگ کا قول ہے؟

جواب: یہ کوئی حدیث نہیں ہے اور کسی معتبر کتاب میں نہیں ہے، یہ موضوع ہے، اس کو حدیث کہنا بھی درست نہیں ہے، کیونکہ حدیث صحیح میں ہے: «من كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار». یعنی جس نے مجھ پر قصداً جھوٹ بولا اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے، باقی تعزیہ سازی کی حرمت دوسرے دلائل شرعیہ سے ثابت ہے، اور پھر تعزیہ کے ساتھ جو امورِ مُحرّمہ شرکیہ کئے جاتے ہیں وہ مُفضِی الی الکفر [کفر کی جانب لے جانے والے] ہو جاتے ہیں، والعیاذ باللہ تعالی، فقط، واللہ تعالی أعلم!"[1]۔

علامہ عبد اللہ بن سعید لَحجی مکی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۴۳ھ / ۱۴۱۰ھ) «منتهى السؤل على وسائل الوصول» (۱۲۳/۲) میں لکھتے ہیں: «وقال بقراط: لا تجعلوا بطونكم مقابر للحيوان، انتهى زرقاني».

[1] فتاوی دار العلوم دیوبند: «من جدد قبرا أو تمثالا فقد خرج عن الإسلام» موضوع روایت ہے، ۱۶۲/۱۸، مکتبہ حقانیہ ملتان۔

① ”جو شخص تین حج کرلیتا ہے، خدا تعالیٰ آگ کو دنیا و آخرت میں اس پر حرام کردیتا ہے ② جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے تین حج کرلیتا ہے، خدا تعالیٰ

یہ روایت کتبِ شیعہ میں بانتساب حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ملتی ہے، اہل سنت کی کتابوں میں یہ روایت ہمیں نہیں ملی، ملاحظہ ہو:

ابو جعفر احمد بن محمد بَرْقِی (متوفی ۲۷۴ھ) ”المحاسن“ (۴۵۳/۲) میں لکھتے ہیں: «عنه عن أبيه عن ابن سنان، عن أبي الجارود، عن الأصبغ بن نباتة قال: قال أمير المؤمنين عليه السلام: من جدد قبرا أو مثل مثالا فقد خرج من الإسلام».

محمد بن علی قُمّی (۳۰۶ھ/۳۸۱ھ) ”من لا يحضره الفقيه“ (۱۳۵/۱) میں لکھتے ہیں: «وقال أمير المؤمنين عليه السلام: من جدد قبرا أو مثل مثالا فقد خرج من الإسلام».

نجم الدین ابو القاسم جعفر بن حسن ہُذلی (متوفی ۶۷۶ھ) «المعتبر فی شرح المختصر» (۳۰۴/۱) میں لکھتے ہیں: «وقال أمير المؤمنين عليه السلام: من جدد قبرا أو مثل مثالا فقد خرج من الإسلام».

محمد بن حسن الحر عاملی (۱۰۳۳ھ/۱۱۰۴ھ) ”وسائل الشیعہ“ (۲۰۸/۳) میں لکھتے ہیں: «محمد بن الحسن بإسناده عن أحمد بن محمد بن عيسى، عن محمد بن سنان، عن أبي الجارود، عن الأصبغ بن نباتة قال: قال أميرالمؤمنين (عليه السلام): من جدد قبرا أو مثل مثالا فقد خرج من الإسلام».

شریعت سنگلجی (۱۳۱۰ھ/۱۳۶۳ھ) ”توحید العبادۃ“ (ص:۱۵۸) میں لکھتے ہیں: «روى أصبغ بن نباته عن أمير المؤمنين (ع) أنه قال: من جدد قبرا أو مثل مثالا فقد خرج من الإسلام».

علی النمازی (متوفی ۱۴۰۵ھ) ”مستدرک سفینۃ البحار“ (۳۷۵/۸) میں لکھتے ہیں: «عن أمير المؤمنين (عليه السلام) قال: من جدد قبرا أو مثل مثالا فقد خرج من الإسلام».

کراماً کاتبین کو حکم دے دیتا ہے کہ اس کے نامۂ اعمال لکھنا بند کر دو"، بظاہر ان کی کچھ اصل نہیں ہے

"سوال: میں نے ایک کتاب میں دیکھا ہے کہ "شفاء" میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک بزرگ نے یہ فرمایا کہ حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص تین حج کرلیتا ہے خدا تعالیٰ آگ کو دنیا و آخرت میں اس پر حرام کر دیتا ہے، اور مولوی محبّ الدین مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے یہ فرمایا تھا کہ "بخاری شریف" میں ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے تین حج کرلیتا ہے خدا تعالیٰ کراماً کاتبین کو حکم دے دیتا ہے کہ اس کے نامۂ اعمال لکھنا بند کر دو، یہ احادیث کس درجہ کی ہیں؟

جواب: حج کی فضیلت بہت کچھ ہے، ایک حدیث میں ہے: «الحج المبرور ليس له جزاء إلا الجنة. بخاري ومسلم». [حج مبرور کرنے والے کا بدلہ جنت ہی ہے، بخاری و مسلم] اور ایک حدیث میں ہے جس نے حج کیا اور اس میں معصیت اور فسق نہ کیا تو وہ گناہوں سے ایسا پاک و صاف ہو جاتا ہے جیسا کہ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا، یہ حدیث بھی "بخاری" و "مسلم" کی ہے، باقی وہ روایتیں جو آپ نے لکھی ہیں وہ کہیں نہیں ملیں، بظاہر ان کی کچھ اصل نہیں ہے، مکرر یہ کہ بعد تحریر ہٰذا "شفاء" قاضی عیاض کو دیکھا گیا، اس میں وہ حدیث جو آپ نے لکھی ہے نہیں ملی، اور "بخاری" کے حوالہ سے جو مولوی محب الدین صاحب نے فرمایا ہے وہ حدیث بھی "بخاری شریف" میں نہیں ہے، فضیلتِ حج میں جو حدیثیں جواب میں نقل کی گئیں، ان سے ہی بہت بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم!"[۱]۔

---

[۱] فتاوی دار العلوم دیوبند: حج کی فضیلت اور چند بے اصل روایات، ۱۸/۱۶۲ مکتبہ حقانیہ ملتان۔

”نیک عالم کا قبرستان سے گذر ہو جائے تو چالیس روز تک قبر سے عذاب اٹھالیا جاتا ہے“، یہ روایت صحیح نہیں

”**سؤال**: اگر عالم صالح کا گورستان سے گذر ہو جاوے، بسبب اس کے چالیس روز تک قبر سے عذاب اٹھالیا جاتا ہے یا نہیں؟

جواب: یہ خبر صحیح نہیں اور اگر حق تعالیٰ اپنے کسی برگزیدہ بندے کی دعا کی برکت سے ایسا فرمادیں تو کچھ بعید بھی نہیں کہ قطعی حکم کرنا بدوں ثبوت کے نہیں ہو سکتا۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم!“[1]۔

قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے ”الشفا بتعریف حقوق المصطفی“ (۲/۹۳) میں اس پہلی روایت (تین حج والی) کو سَعْدُون خولانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے صیغۂ تمریض کے ساتھ ان لفظوں سے ذکر کیا ہے:

«وحكي أن قوما أتوا سَعْدُون الخولاني بالمُنَسْتِيْر [أي: مكان بالقيروان]، فأعلموه أن كُتَامَة [أي: قبيلة من بربر] قتلوا رجلا، وأضرموا عليه النار طول الليل، فلم تعمل فيه شيئا، وبقي أبيض البدن، فقال: لعله حج ثلاث حجج؟ قالوا: نعم، قال: حدثت أن من حج حجة أدى فرضه، ومن حج ثانية داين ربه، ومن حج ثلاث حجج حرم الله شعره وبشره على النار».

نیز علامہ تقی الدین احمد بن علی مقریزی رحمۃ اللہ علیہ نے ”اِمتاع الاَسماع“ (۱۴/۲۲۳) میں، اور حافظ ابو بکر عثمان بن محمد دمیاطی رحمۃ اللہ علیہ نے ”اعانۃ الطالبین علی حل الفاظ فتح المعین“ (۲/۲۸۴) میں اس روایت کو سَعْدُون خولانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

علامہ خفاجی رحمۃ اللہ علیہ نے ”نسیم الریاض“ (۵/۱۳۲) میں اس روایت کے متعلق لکھا ہے: «وهذا الحديث لا يعرف من رواه». اور اس حدیث کو جس نے روایت کیا ہے اس کی کوئی معرفت نہیں ہے۔

[1] فتاوی دار العلوم دیوبند: صالح عالم کے قبرستان سے گزرنے سے قبر کا عذاب اٹھالیا جاتا ہے یا نہیں؟ ۱۸/۱۶۶ مکتبہ حقانیہ ملتان۔

روایت نمبر (۵۷)

”جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے کو ذبح کر چکے تو چھری اوپر پھینک دی، تب پروردگار کا حکم ہوا کہ جو اس چھری کے نیچے گردن جھکادے گا وہ حلال ہے، چنانچہ ٹڈی اور مچھلی نے گردن چھری کے نیچے جھکادی، وہ حلال ہوگئی“، یہ معتبر روایت نہیں ہے

”**سؤال:** جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے کو ذبح کر چکے تو چھری اوپر پھینک دی، تب پروردگار کا حکم ہوا کہ جو اس چھری کے نیچے گردن جھکادے گا وہ حلال ہے، چنانچہ ملخ (ٹڈی) اور مچھلی نے گردن چھری کے نیچے جھکادی وہ حلال ہوگئی، کیا یہ واقعہ سچا ہے؟

جواب: چھری پھینک دینے اور ماہی وملخ [مچھلی اور ٹڈی] کے حلال ہو جانے کی کوئی معتبر روایت نہیں، اور ماہی وملخ کے حلال ہونے کے لئے دلیل: «أحلت لنا ميتتان». [ہمارے لئے دو میت حلال ہیں] کافی ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم!“[1]۔

حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بے اصل کہا ہے، ان کے کلام پر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اکتفاء کیا ہے (دیکھئے: الاسرار المرفوعہ: ص: ۱۴۲)، نیز حافظ ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ”الفتاوی الفقہیہ الکبری“ (۲/ ۳۲) میں، علامہ قاؤقجی رحمۃ اللہ علیہ نے ”اللؤلؤ المرصوع“ (ص: ۵۳) میں اسے بے اصل کہا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: کتاب غیر معتبر روایات کا فنی جائزہ، حصہ دوم ص: ۴۲۲۔

[1] فتاوی دار العلوم دیوبند: ذبح کے بغیر مچھلی اور ٹڈی کے حلال ہونے کی من گھڑت روایت، ۱۶۶/۱۸، مکتبہ حقانیہ ملتان۔

روایت نمبر ⑤⑧

”۲۳ رمضان کی تراویح کے بعد سورۂ عنکبوت اور سورۂ روم سننے سنانے والوں کا جنتی ہونا“، اس مخصوص طریقہ اور مخصوص ثواب کا احادیث صحیحہ سے کوئی ثبوت نہیں ہے

”**سؤال:** بعض ملکوں میں رمضان شریف کی ۲۳ / شب کو بعد تراویح کے امام محلّہ لوگوں کو سورۂ عنکبوت اور سورۂ روم سناتے ہیں، یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں؟ اور ان سورتوں کے پڑھنے اور سننے والوں پر جنتی ہونے کا حکم لگانا جائز ہے یا نہ؟

جواب: اس طریقۂ مخصوصہ اور ثوابِ مذکور مخصوص کا کچھ ثبوت احادیث صحیحہ سے نہیں ہے، عام فضیلت قرآن شریف کی تلاوت اور سماعت کی جو کچھ ہے وہ سب کو معلوم ہے، مگر یہ خاص فضیلت وبشارت وارد نہیں ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم!“[1]

*****

---

[1] فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۳ رمضان کی شب میں سورۂ عنکبوت اور سورۂ روم پڑھنے اور سننے کی من گھڑت فضیلت، ۱۸/ ۴۳۴ مکتبہ حقانیہ ملتان۔

روایت نمبر (۵۹)
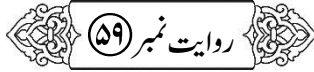
مصلے کے ایک کنارے کو موڑ دینا بے اصل ہے

"سوال: اکثر صاحبان مصلے کا ایک گوشہ موڑ دیتے ہیں، اس کی کیا اصلیت ہے؟

جواب: یہ بے اصل اور لغو ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم!"[1]۔

*****

[1] فتاوی دار العلوم دیوبند: نماز کے بعد مصلّی کا ایک گوشہ موڑ دینا بے اصل ہے، ۴۳۸/۱۸، مکتبہ حقانیہ ملتان۔

ارشادات حضرت مولانا مفتی ظفر احمد عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

فضائل اعمال میں ضعیف حدیث قبول ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اس میں ثواب سمجھے بغیر عمل کرلے، بشرطیکہ ضعفِ شدید نہ ہو اور وہ عمل کسی اصل شرعی کے تحت داخل ہو

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک پر دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے کے ساتھ منہ سے بوسہ لے کر دونوں آنکھوں پر لگاتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے تو کیسا گناہ ہے، اور کس کتاب میں ہے؟

جواب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سن کر انگوٹھے چومنا بدعت ہے، کیونکر [كذا في الأصل] اکثر لوگ اس کو ثواب سمجھتے ہیں، اور وہ موقوف ہے روایت پر، اور روایت اس بارے میں کوئی ثابت نہیں، «كما قال السخاوي في المقاصد الحسنة: ولايصح في المرفوع من كل هذا شيء». [جیسا کہ امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ”المقاصد الحسنہ“ میں کہا ہے کہ اس باب میں کوئی بھی مرفوع حدیث صحیح نہیں ہے] اور فضائل اعمال میں ضعیف حدیث قبول ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اس میں ثواب سمجھے بغیر عمل کرلے، بشرطیکہ ضعفِ شدید نہ ہو اور وہ عمل کسی اصل شرعی کے تحت میں داخل ہو، «كما صرح به في الدرالمختار». (شامی ص:۱۳۲، ج:۱)

فائدہ: «شرط العمل بالحديث الضعيف عدم شدة ضعفه، وأن يدخل

تحت أصل عام، وأن لايعتقد سنية ذلك الحديث، وقال الشامي: أي: سنية العمل به». [حدیث ضعیف پر عمل کی شرائط میں ہے کہ حدیث کا ضعف شدید نہ ہو، اور وہ اصل عام کے تحت داخل ہو، اور اس حدیث کے سنت ہونے کا اعتقاد نہ کرے، شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یعنی اس پر عمل کے مسنون ہونے کا اعتقاد نہ رکھے] اور آج کل لوگ ثواب سمجھنے کے علاوہ تارک پر ملامت کرتے ہیں، اس لئے اس فعل سے روکا جاوے گا، واللہ اعلم بالصواب! «ومايترائى [كذا في الأصل] في بعض كتب الفقهة [كذا في الأصل] من التحريض على فعله فمبني على ظنهم أن ضعفه يسير، وما ذكر عن بعض المشائخ [كذا في الأصل] فعلى طريق الرُقية من رمد العين»[1]. [اور بعض فقہ کی کتابوں میں جو یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس عمل پر ابھارتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان فقہاء نے اس حدیث کو ہلکے درجہ کا ضعیف گمان کیا ہوگا، نیز یہ عمل جو بعض مشائخ سے منقول ہے وہ آنکھوں کے درد میں دم کے طور پر ہے]

*****

[1] امداد الاحکام: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر انگوٹھے چومنا بدعت ہے، ۱/۱۸۸، مکتبہ دار العلوم کراچی۔

«إذا تحيرتم في الأمور فاستعينوا بأهل القبور».
جب تم کاموں میں پریشان ہو جاؤ تو قبر والوں سے مدد مانگ لیا کرو، یہ حدیث من گھڑت ہے

"۔۔۔اور عوام میں جو مشہور ہے: «إذا تحيرتم في الأمور فاستعينوا بأهل القبور». [جب تم کاموں میں حیران و پریشان ہو جاؤ تو قبر والوں سے مدد مانگ لیا کرو] یہ حدیث موضوع ہے، «صرح به ابن تيمية في الصراط المستقيم» [حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے صراط مستقیم میں اس کی صراحت کی ہے] (ص: ۱۶۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم!"[1]۔

---

[1] امداد الاحکام: ایک عمل مشتمل بر بدعات و افعال شرکیہ، ۱/ ۲۰۰، مکتبہ دار العلوم کراچی۔

علامہ ابن کمال پاشا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ "الاربعین فی الحدیث" (مخطوط: ص: ۲) میں یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے: «الحديث الثالث: إذا تحيرتم في الأمور فاستعينوا من أصحاب القبور».

علامہ ابن کمال پاشا رحمۃ اللہ علیہ کے انتساب سے علامہ عجلونی رحمۃ اللہ علیہ نے "کشف الخفاء" (۱/ ۱۰۱) میں، اور شیخ اسماعیل استنبولی رحمۃ اللہ علیہ نے "روح البیان" (۵/ ۱۷۸) میں اسے نقل کیا ہے۔

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے "اقتضاء الصراط المستقیم" (۲/ ۱۹۶) میں اسے من گھڑت کہا ہے، اسی طرح علامہ خفاجی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی "حاشیۃ الشہاب" (۹/ ۳۹۹) میں اس کے حدیث ہونے کی نفی کی ہے، اور علامہ شمس الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ نے "جہود علماء الحنفیہ فی ابطال عقائد القبوریہ" (ص: ۱۲۷۷) میں اسے من گھڑت کہا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت ملاحظہ ہو:

«ما يرويه بعض الناس من أنه قال: إذا تحيرتم في الأمور فاستعينوا بأهل القبور أو

روایت نمبر (٦١)

”جس نے سورۂ عنکبوت اور سورۂ روم تئیس رمضان کی رات کو پڑھی تو وہ جنت والوں میں سے ہو گا“، اغلب یہ ہے کہ یہ روایت من گھڑت ہے

”**سؤال**: ایک شخص کا یہ معمول ہے کہ ماہِ رمضان کی تیئیسویں کو، بعد نمازِ تراویح، سورۂ عنکبوت اور سورۂ روم کو پڑھ کر پانی پر دم کر کے خود بھی پیتا ہے اور سب کو پلاتا بھی ہے، اور اس کا مستدل ایک حدیث ہے، جس کو ”انیس الواعظین“ میں بایں طور بیان فرمایا ہے: «رسول گفت علیہ السلام: من قرء [كذا في الأصل]

نحو هذا، فهو كلام موضوع مكذوب باتفاق العلماء».

علامہ خفاجی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت ملاحظہ ہو:

«ولذا قيل: إذا تحيرتم في الأمور فاستعينوا من أصحاب القبور، إلا أنه ليس بحديث كما توهم، ولذا اتفق الناس على زيارة مشاهد السلف والتوسل بهم إلى الله وإن أنكر بعض الملاحدة في عصرنا، والمشتكى إليه هو الله».

علامہ شمس الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت ملاحظہ ہو:

«**الشبهة التاسعة**: استدلال القبورية بأسطورتين وثنيتين: **الأولى**: حديث مفتعل مصنوع: إذا تحيرتم في الأمور فاستعينوا من أهل القبور. **والثانية**: حديث مختلق موضوع: إذا أعيتكم الأمور فعليكم بأصحاب القبور.

الجواب الأول: أنهما من الأساطير المفتعلة الموضوعة، والروايات المختلقة المصنوعة، التي وضعها القبورية أشباه عبدة الأصنام، الجهلة الطغام الذين هم أضل من الأنعام.

والجواب الثاني: أنهما مع كونهما مكذوبة على رسول الله ﷺ مناقضة لدين الإسلام، وهما مما أوقع عباد القبور في الشرك الذي كان عليه عباد الأصنام».

سورة العنكبوت وسورة الروم فى ليلة الثلاثة والعشرين من رمضان فهو من أهل الجنة". [رسول علیہ السلام کا ارشاد ہے: جس نے سورۂ عنکبوت اور سورۂ روم تئیس رمضان کی رات کو پڑھی تو وہ جنت والوں میں سے ہوگا] شیخ المشائخ رکن الدین والحق ابو الفتح فیض اللہ قدس سرّہ ملک بہرام سراج الدین فرمود اگر خواہی در بہشت بیشک درآئی دو سورۂ مذکور در شب بست وسوم ماہ رمضان بخوان، پس ارشاد ہو کہ آیا شخص مذکورہ کا یہ فعل صحیح اور جائز ودرست ہے یا نہیں؟

جواب: فضائلِ سورِ قرآن میں جس قدر احادیث ہیں بجز چند احادیث کے سب موضوع ہیں، احادیثِ صحیحہ میں سورۂ فاتحہ، سورۂ ملک، سورۂ کہف، سورۂ اخلاص، سورۂ کافرون والمعوذتین، وسورۂ الٓم سجدہ، وسورۂ دخان، وسورۂ الفتح، وسورۂ یٰسٓ کی فضیلت تو آئی ہے مگر وہ بھی محض تلاوت کی فضیلت ہے، کوئی مہینے یا دن یا تاریخ کی قید نہیں، اور سورۂ الروم اور سورۂ العنکبوت کی جو فضیلت قیود مذکورہ کے ساتھ "انیس الواعظین" سے نقل کی گئی ہے احادیثِ صحیحہ میں نظر سے نہیں گذری، اغلب یہ ہے کہ موضوع ہے۔

پس جب تک حدیث کا صحیح ہونا معلوم نہ ہو جائے اس وقت تک اس فضیلت کا اعتقاد جائز نہیں، نہ اس پر عمل کرنا جائز، اور "انیس الواعظین" کی روایات معتبر نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم! «وقد صرح أئمة الحديث بأن الحديث الذي فيه فضائل السور موضوع، ذكره السيوطي في اللآلئ المصنوعة فقط»[1] [ائمہ حدیث نے وضاحت کی ہے کہ وہ حدیث جس میں مختلف سورتوں کے فضائل ہیں وہ موضوع ہے، اسے سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "اللآلیٔ المصنوعہ" میں ذکر کیا ہے]۔

[1] امداد الاحکام: انیس الواعظین کی ایک روایت متعلق فضائل سورۂ عنکبوت، ۲۴۶/۱، مکتبہ دار العلوم کراچی۔

روایت نمبر (۶۲)

”آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدم علیہ السلام نے بحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم، علی رضی اللہ عنہ، فاطمہ رضی اللہ عنہا، حسن رضی اللہ عنہ، اللہ سے سوال کیا تھا“، یہ روایت من گھڑت ہے

”**سوال**: زید حضرت عباس رضی اللہ عنہما سے یوں روایت تحریر کرتا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کلمات کی بابت سوال کیا جن کی تعلیم آیتِ ہذا میں ہوئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعلی رضی اللہ عنہ وفاطمہ رضی اللہ عنہا وحسن رضی اللہ عنہ کو وسیلہ کر کے گناہ کی معافی چاہی، خدا تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی، اور ان کے گناہ معاف کر دیئے، حدیث یہ ہے: «أخرج ابن النجار عن ابن عباس قال: سألت رسول الله ﷺ عن الكلمات التي تلقها آدم من ربه فتاب عليه، قال: سأل آدم بحق محمد ﷺ وعلى رضي الله عنه وفاطمة رضي الله عنها والحسن رضي الله عنه، إن تبت علي فتاب عليه». (درمنثور سيوطي رحمه الله) [ابن نجار رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تخریج کیا ہے، آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کلمات کے بارے میں پوچھا جن کے ذریعہ آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے توبہ کی تھی، اور اللہ نے ان کی توبہ کو قبول فرمالیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، آدم علیہ السلام نے بحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم، علی، فاطمہ، حسن رضی اللہ عنہم، اللہ سے سوال کیا تھا .....]

زید کے مقابلہ میں اپنا خیال یہ ہے کہ ”بحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم“ تک عبارت صحیح ہے اور پھر آگے زائد ہے، نہیں معلوم کس نے زیادہ کیا، فقط، جواب صحیح حدیث سے عنایت ہووے۔

جواب: زید نے جو روایت بیان کی ہے وہ محض بے اصل ہے، ”در منثور“ نے اس کو ابن النجار رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے، اس کے علاوہ دَارقُطنِی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس روایت کو لیا ہے، لیکن دونوں کتابوں میں سے ایک ہی سند سے روایت موجود ہے، یعنی ابن النجار رحمۃ اللہ علیہ اور دَارقُطنِی رحمۃ اللہ علیہ ہر دو کی سند میں حسین ابن الحسن الاشقر عن عمرو بن ثابت ابی المقدام عن ابیہ موجود ہے، اور یہ حسین رافضی غالی تھا، اور اکثر لوگوں نے اس پر جرح کی ہے، حتی کہ بعض نے کذاب کہا ہے، اور عمرو بن ابی المقدام بھی غالی شیعہ تھا اور اس کے ضعیف ہونے پر سب محدثین کا اتفاق ہے اور بڑے سخت الفاظ میں اس پر جرح کی ہے، چنانچہ ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے رافضی خبیث کہا ہے، پس یہ روایت موضوع ہے، ہر گز قابلِ اعتماد نہیں۔

”منہاج السنۃ“ میں صاف لکھا ہے: «كذب موضوع باتفاق أهل العلم» [اہل علم اسے جھوٹ من گھڑت کہنے میں متفق ہیں] (ص:۳۶،ج:۴)، اور جب معلوم ہو گیا کہ یہ حدیث نہیں بلکہ حسین یا عمرو کا گھڑا ہوا مضمون ہے تو اس کا دوسرا جواب دینے کی ضرورت نہیں، اگر پھر بھی کسی کو جواب کا شوق ہو تو ”منہاج السنۃ“ دیکھ لے کہ اس میں دیگر سات جواب موجود ہیں، اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ یہ کل روایت ہی سرے سے گھڑی ہوئی ہے تو پھر بحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک کا صحیح ماننا بھی بلا دلیل ہے، اور کلمات کی صحیح اور معتبر تفسیر یہ ہے کہ «ربنا ظلمنا أنفسنا» الخ مراد ہے، اس کو چند صحابہ رضی اللہ عنہم نے بیان فرمایا ہے، اور خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی یہی فرمایا ہے، جیسا کہ ثعلبی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن المنذر رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے روایت کی ہے جو ”در منثور“ ہی میں موجود ہے۔ واللہ اعلم!“ [1]

---

[1] امداد الاحکام: آیت ﴿فَتَلَقّٰى آدَمُ مِنْ رَّبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ﴾ سے متعلق ایک رویت کی تحقیق، ۲۹۸/۱، مکتبہ دار العلوم کراچی۔

روایت نمبر (۶۳)

"فاقہ سے مجبور ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی کے کنویں سے ایک ڈول پر ایک کھجور کے عوض کام کیا، پانچویں ڈول پر رسّی ٹوٹ گئی اور ڈول گر گیا، یہودی نے ایک چانٹا اس زور سے فخر الموجودات صلی اللہ علیہ وسلم کو مارا کہ گال سرخ ہو گیا"، مجھے اس کے من گھڑت ہونے کا ڈر ہے۔

سوال: "دیوان سنی" اور "قصص الانبیاء" اردو میں واقع ہے کہ ایک دفعہ سردارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم بعد چار دن کی بھوک کے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دولت خانہ تشریف لائے، اور طعام کا حال پوچھا، جواب ملا کہ آٹھ روز سے فاقہ ہے، پھر جا کر ایک یہودی کی نوکری کی، ایک ڈول کنویں سے نکالنے پر ایک کھجور، پانچویں ڈول پر رسّی ٹوٹ کر ڈول گر گیا، یہودی نے ایک چانٹا اس زور سے فخر الموجودات صلی اللہ علیہ وسلم کو مارا کہ کلّہ [گال] سرخ ہو گیا، لمبا قصہ ہے، اس قصہ کے متعلق رائے عالی سے مطلع فرمادیں کہ صحت یا ضعیف یا منکر و موضوع، کس درجہ میں ہے، بہر صورت واعظین اس کا بیان کرنا کیسا ہے؟

جواب: یہ قصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے پہلے تو کسی سے مواجرت کا معاملہ کیا ہے، بعد نبوت کے ہر گز ثابت نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

حافظ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو "موضوعات" (۲/۳) میں شمار کیا ہے، حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے "تلخیص کتاب الموضوعات" (ص:۱۵۲) میں، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "آلآلئ المصنوعہ" (۱/۲۴۹) میں، علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے "فوائد مجموعہ" (۲/۴۸۶) میں اور علامہ پٹنی رحمۃ اللہ علیہ نے "تذکرۃ الموضوعات" (ص:۹۸) میں اس روایت کو موضوع کہنے میں حافظ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر اعتماد کیا ہے۔

نے کسی سے معاملہ مواجرت کا کیا ہو: «وفي الصحيح أنه رعى الغنم لأهل مكة على قراريط اه وآجر نفسه من خديجة في سفره بمالها إلى الشام، ذكره أصحاب السير كما في زاد المعاد». [اور صحیح روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے چند قیراط کے بدلے مکہ والوں کے لئے بکریاں چرائیں اھ اور اجرت پر خدیجہ کا مال سفر میں شام لے کر گئے ہیں، اسے اصحابِ سیر نے ذکر کیا ہے، جیساکہ "زاد المعاد" میں ہے]

ہاں ایسا قصہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ہے کہ انہوں نے ایک یہودی سے چھواروں پر اجرت کا معاملہ کیا تھا، مگر اس میں بھی طمانچہ مارنے کا قصہ نہیں....

پس "دیوان سنی" و "قصص الانبیاء" کا قصہ مذکورہ میرے خیال میں صحیح نہیں، اور واعظین کو اس کا بیان جائز نہیں، وأخاف أن يكون موضوعا. [اور مجھے اس کے من گھڑت ہونے کا ڈر ہے]۔ واللہ اعلم!"[1]۔

---

[1] امداد الاحکام: تحقیق قصہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہ نزدیکے از یہود اجرت سقی ماء بعوض تمرات کرد، ۳۳۸/۱، ۳۳۹، مکتبہ دار العلوم کراچی۔

شیخ محمد رہاوی واعظ رحمۃ اللہ علیہ نے "جامع المعجزات" (ص:۱۰) میں مذکورہ روایت بلاسند ذکر کی ہے، ملاحظہ ہو:

«ومن معجزاته: قال أنس: دخل النبي عليه السلام يوما إلى منزل فاطمة، فقالت: يا أبت! منذ ثلثة أيام لم نذق طعاما، فكشف النبي عليه السلام بطنه فإذا هو مشدود بالحجر، فقال: يا فاطمة! لك ثلثة أيام ولأبيك أربعة أيام، فخرج النبي عليه السلام من منزلها وهو يقول: واغماه! بجوع الحسن والحسين، فخرج من المدينة فإذا هو بأعرابي على البير يسقي إبله، فوقف النبي عليه السلام عنده و قال: يا أعرابي! هل لك أن تأجرني؟ قال: نعم، قال عليه السلام: ما تستعملني؟ قال: أن تخرج من هذا البير ماء تسقي إبلي، قال عم [كذا في الأصل]: وما تعطني من أجرتي؟ قال في كل دلو ثلثة تمراة[كذا في الأصل]، قال عم: رضيت، فاستخرج دلوا، فدفع إليه ثلث تمراة،

روایت نمبر (۶۴)

[كذا في الأصل] فأخذ النبي ﷺ وأكل، ثم استخرج ثمان دلوا، فلما كان دلوا لتاسع انقطع الحبل، فوقع الدلو في البير، فقام النبي ﷺ متحيرا، فأقبل الأعرابي غاضبا، و لطم وجه النبي عليه السلام لطمة، ثم دفع إليه أربع وعشرين تمرا، فمد النبي ﷺ يده إلى البير وخرج الدلو ودفعه إليه وانطلق، فتفكر الأعرابي من صنعته، وقال في نفسه: لاشك أنه نبي، فأخرج يده في جيب حصره [كذا في الأصل] و أخرج منه سكينا حادا، و قطع به يده اليمنى، فوقع على الأرض مغشيا عليه، فمر به ركان [كذا في الأصل]، فنزلوا و رشوا الماء على وجهه، فلما أفاق الأعرابي، قالوا: ما أصابك أصابك [كذا في الأصل] ومن قطع يدك؟ قال: أنا قطعت يدي، لأني لطمت وجه النبي ﷺ وما عرفته، فخففت [كذا في الأصل] أن تصبني العقوبه من الله تعالى، فقطعت يدي بيدي .

ثم قام الأعرابي و أخذ يده المقطوعة بشماله، فأقبل نحو النبي ﷺ و كانت أمه معه، حتى أتى المسجد [كذا في الأصل]، ونادى بأصحاب محمد ﷺ، وكان أبوبكر وعثمان وعمر قاعدا، فقالوا: ما تريد؟ قال: كانت لي حاجة إليه، فأخذ سلمان بيده وانطلق به إلى بيت فاطمة، وكان النبي عم [كذا في الأصل] جالسا عندها، فنادى الأعرابي يا محمد! فقال ﷺ: يا فاطمة! انظري من في الباب، فخرجت ورأت الأعرابي على حالة تقطر يده دما، فرجعت قالت: في الباب أعرابي كذا و كذا، فخرج النبي ﷺ، فقال الأعرابي: أعذرني يا محمد! فإن العذر مقبول عند كرام الناس و أنت أكرم الناس، فقال ﷺ: لم قطعت يدك؟ قال يا محمد! لم أكن أجد يدا لطمت و بها وجهك [كذا في الأصل]، فعرفه النبي ﷺ وقال: يا أعرابي! أسلم تسلم، فقال: يا محمد! إن كنت نبي حقا فاصلح يدي، فأخذ النبي ﷺ يده المقطوعة فضم إلى مكانها وقال: بسم الله الرحمن الرحيم و مسح يده المباركة عليها، فصارة [كذا في الأصل] كما كانت في الأولى بإذن الله تعالى، فقال الأعرابي و أمه: أشهد أن لا إله إلا الله و أشهد أن محمد الرسول الله، و أسلما و أحسن إسلامهما ببركة النبي ﷺ».

”ایک شخص مدعی ہوا کہ حضور ﷺ نے میرے برہنہ تن پر چابک مارا ہے، لہذا میں بھی حضور ﷺ سے مستدعی ہوں کہ آپ پیراہن مبارک اتاریں۔۔۔“، یہ واقعہ صحیح نہیں، صحیح واقعہ دوسرا ہے

”**سوال**: یہ عوام، وعظ میں جو ایک طول طویل قصہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص مدعی ہوا کہ حضور ﷺ نے میرے برہنہ تن پر چابک مارا ہے، لہذا میں بھی حضور ﷺ سے مستدعی ہوں کہ آپ پیراہن مبارک اتاریں، لہذا حضور ﷺ نے اتارا اس نے مہرِ نبوت کو بوسہ دیا، اور کہا بس یہی آرزو تھی، جناب والا کیا بھلا کسی کی مجال تھی جو حضور ﷺ سے بدلہ لے، اس قصہ کی بھی کچھ اصل ہے؟

جواب: یہ قصہ تو واقع ہوا، مگر واعظین جو اس کو وفاتِ نبوی ﷺ کے واقعہ میں بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے سب لوگوں کو جمع کر کے ان سے معافی چاہی، اس وقت ایک صحابی نے عرض کیا، یہ صحیح نہیں، بلکہ ایک مرتبہ حضور ﷺ غزوہ میں یا نماز میں مسلمانوں کی صف سیدھی کر رہے تھے اس وقت ایک صحابی کا سینہ آگے کو ابھرا ہوا تھا، آپ ﷺ نے لکڑی سے ان کو برابر کیا، تو کہنے لگے کہ مجھے تکلیف ہوئی، حضور ﷺ نے فرمایا اچھا بدلہ لے لو، واللہ اعلم!“[۱]

---

[۱] امداد الاحکام: ایک صحابی کے مہر نبوت چھونے کے واقعہ کی تحقیق، ۱/۳۴۲، مکتبہ دار العلوم کراچی۔
حافظ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے ”کتاب الموضوعات“ (۱/۲۹۷) میں، حافظ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے ”مجمع الزوائد“ میں، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ”لآلئ المصنوعہ“ (۱/۲۵۷) میں، علامہ ابن عراق رحمۃ اللہ علیہ نے ”تنزیہ الشریعہ“ (۱/۳۳۱) میں، علامہ لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے ”آثار المرفوعہ“ (ص: ۴۰) میں اس مشہور حکایت کو من گھڑت قرار دیا ہے، صحیح واقعہ وہی ہے جو حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے، تفصیل کے لئے دیکھئے: کتاب غیر معتبر روایات کا فنی جائزہ، حصہ اول، ص: ۱۰۰۔

ارشادات مفتی اعظم

حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
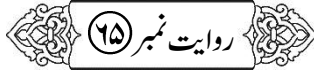
”حضرت خاتم النبوت ﷺ کے نیچے پتھر کا موم ہو کر قدم پاک کا نقشہ پتھر پر آجانا“، ایسی کوئی سند اور روایت نظر میں نہیں آئی

”سوال: آیا رسول اللہ ﷺ کا معجزہ یعنی پائے مبارک حضرت خاتم النبوت ﷺ کے نیچے پتھر کا موم ہو کر قدم پاک کا نقشہ پتھر پر آجانا کہیں ”صحاح ستہ“ یا دوسری حدیث کی کتابوں یا دیگر معتبر کتابوں سے ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟

جواب: (از نائب مفتی دار العلوم دیوبند) آج کل جو بعض لوگ ایک نشان لئے پھرتے ہیں اور اس کو نقش اور نشان قدم مبارک آنحضرت ﷺ کا بتاتے ہیں، یہ قول ان کا صحیح نہیں ہے، یہ نشان مصنوعی اور بناوٹی ہے۔ فقط، واللہ اعلم!

جواب: (از حضرت شیخ السلام مولانا السید حسین احمد مدنی قدس سرہ) جناب رسول اللہ ﷺ کے معجزات بہت زیادہ اور نہایت عظیم ہیں، ان کے سامنے پتھر کا مثل موم بن جانا اور نقش قدم اس پر پڑ جانا کوئی حیثیت نہیں رکھتا، یہ تو ادنیٰ بات ہے، مگر اس وقت تک میری نظر سے کسی حدیث یا سیر کی کتابوں میں سے کسی کتاب میں یہ معجزہ نہیں گزرا۔

جواب: (حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ) اگرچہ پتھر پر نشان قدم مبارک آنحضرت ﷺ

کا بطور معجزہ کے نقش ہو جانا مستبعد نہیں، مگر اس کے باوَر [اعتماد] کرنے کے لئے سند اور روایت کی ضرورت ہے اور ایسی کوئی سند اور روایت نظر میں نہیں آئی،''[۱]۔

[۱] کفایۃ المفتی: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کا نقش بطور معجزہ پتھر پر نقش ہو جانا، ۱/۱۱۷، دار الاشاعت کراچی۔

مصادرومراجع

- الأباطيل والمناكير والصحاح والمشاهير للجوزقاني:ت:محمدحسن،دار الكتب العلمية - بيروت.
- الابتهاج بالكلام على الإسراء والمعراج للغيطي:مخطوط.
- إتحاف السادة المتقين للزبيدي:دار الكتب العلمية - بيروت،ط:١٤٣٣ ھ.
- إتحاف المهرة بالفوائد المبتكرة من أطراف العشرة لابن حجر العسقلاني:ت: زهير بن ناصر الناصر،مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف - المدينة المنورة، ط:١٤١٥ ھ .
- إتقان ما يحسن من الأخبار الواردة على الألسن لنجم الدين الغزي: ت:يحي مراد، دار الكتب العلمية - بيروت،ط: ٢٠٠٤ء.
- الآثارالمرفوعة في الأخبار الموضوعة للكنوي: ت:محمد السعيد بن بسيونى زغلول، دار الكتب العلمية - بيروت، ط: ١٣٧١ھ.
- الأجوبة الفاضلة للأسئلة العشرة الكاملة للعلامة اللكنوي:ت:عبد الفتاح أبو غدة،مكتب المطبوعات الإسلامية - بيروت،ط:١٤٢٦ھ.
- أحكام القرآن لابن العربي: ت:محمد عبد القادر عطا،دار الكتب العلمية - بيروت.
- إحياء علوم الدين للغزالي:دار الشعب - قاهرة.
- الأذكار النووية للنووي:ت:عبدالقادر الأرناؤوط،دارالملاح - دمشق،ط:١٣٩١ھ.
- الأربعين في الحديث لابن كمال باشا:مخطوط.
- الأسرار المرفوعة في الأخبار الموضوعة لعلي القاري:ت:محمد الصباغ، المكتب الإسلامى - بيروت، ط:١٤٠٦ ھ.
- الاستذكار الجامع لمذاهب فقهاء الأمصار لابن عبد البر:ت:عبدالمعطى أمين قلعجى،دارالوعى - حلب،ط:١٤١٤ ھ .

- أسنى المطالب في أحاديث مختلف المراتب لمحمد بن درويش الحوت:ت: مصطفى عبد القادر عطا، دار الكتب العلمية – بيروت،ط:١٤١٨ هـ.
- الإصابة في تمييز الصحابة لابن حجرالعسقلاني:دار الكتب العلمية- بيروت.
- إعانة الطالبين على حل الفاظ فتح المعين للدمياطي:دار إحياء الكتب العلمية دون ذكر مطبع وسنة الطبع.
- اقتضاء الصراط المستقيم لابن تيمية:ت: ناصر عبد الكريم العقل، مكتبة الرشد – رياض،ط: ١٤١٩ هـ.
- اقتضاء الصراط المستقيم لابن تيمية:ت: ناصر بن عبدالكريم العقل،دار اشبيليا – الرياض،ط:١٤١٩هـ.
- إمتاع الأسماع للمقريزي:ت:محمد عبد الحميد النميسي،دار الكتب العلمية- بيروت،ط:١٤٢٥هـ.
- أهوال القبور لابن رجب الحنبلي:ت:عاطف صابر شاهين، دار الغد- مصر، ط: ١٤٢٦ هـ.
- البحرالزخار (المسند) للبزار: ت: محفوظ الرحمن زين الله، مؤسسة القران- بيروت ، ط: ١٤٠٩ هـ.
- البداية والنهاية لابن كثير:ت:عبدالله بن عبدالمحسن التركى،دارهجر،ط:١٤١٧ هـ
- تاريخ الإسلام للذهبي:ت:عمر عبدالسلام تدمري،دار الكتاب العربي- بيروت، ط:١٤١٤هـ.
- تاريخ جرجان لحمزة السهمي:مجلس دائرة المعارف العثمانية – حيدر آباد دكن.
- تاريخ دمشق لابن عساكر:ت:عمر بن غرامه العمرى،دارالفكر-بيروت، ط: ١٤١٥ هـ.
- تاريخ الرسل والملوك للطبري: ت:محمد أبوالفضل إبراهيم،دار المعارف – مصر.
- تاريخ يحيى بن معين:ت: عبد الله أحمد حسن،دار القلم- بيروت.
- تحفة الأحوذي للمباكفوري:ت:عبد الوهاب عبد اللطيف،دار الفكر- بيروت.

- تحفة المحتاج بشرح المنهاج للهيتمي:ت:سيد بن محمد السناري،دار الحديث - القاهرة،ط:١٤٣٧ه.
- تذكرة الموضوعات للفتني: كتب خانه مجيدية - ملتان.
- تذكرة الموضوعات للفتني: دار إحياء التراث العربي ـ بيروت،ط١٣٩٩ه.
- تذكرة الموضوعات لابن القيسرانى المقدسي: ت:محمد أمين الخانجي،المطبعة السعادة - مصر ط: ١٣٣٩ه.
- تذكرة الحفاظ لابن القيسرانى المقدسي: ت: زكريا عميرات،دارالكتب العلمية - بيروت، ط: ١٤١٩ه.
- التذكرة في الوعظ لابن الجوزي:ت:طه عبدالرؤوف سعد،دار ابن خلدون،ط: ١٤٢٩ ه
- تفسير القرآن العظيم لابن أبي حاتم:ت: أسعد محمد الطيب، مكتبة نزار مصطفى الباز - السعودية العربية،ط:١٤١٧ه.
- التفسير الكبير للرازي: دار إحياء التراث العربي - بيروت.
- تلخيص الموضوعات للذهبي:ت:أبو تميم ياسر بن إبراهيم، مكتبة الرشد- رياض، ط:١٤١٩ ه.
- تمييز الطيب من الخبيث لابن الديبع: دارالكتب العلمية - بيروت، ط: ١٤٠٨ه .
- تنزيه الشريعة المرفوعة عن الأخبار الشنيعة الموضوعة لابن عرّاق:ت:عبدالله الغماري، دار الكتب العلمية - بيروت ،ط :١٤٠١ ه.
- توحيد العبادة للشريعت سنكلجي:ت:خالد بن محمد البديوي، مكتبة العبيكان - الرياض،ط:١٤٣٦ه.
- تهذيب التهذيب لابن حجر:ت:عادل مرشد،مؤسسة الرسالة- بيروت،ط:١٤١٦ ه.
- التيسير للمناوى: مكتبة الإمام الشافعي - الرياض،ط:١٤٠٨ ه.
- الجامع لأحكام القرآن للقرطبي:ت:عبدالله بن عبدالمحسن،مؤسسةالرسالة- بيروت،ط:١٤٢٧ ه.
- الجد الحثيث في بيان ماليس بحديث للغزي العامري:ت: فواز أحمد زمرلي، دار ابن حزم-بيروت، ط:١٤١٨ ه.

- جهودعلماء الحنفية في إبطال عقائدالقبورية للعلامة شمس الدين الأفغاني: دار الصميعي - الرياض،ط:١٤١٦ه.
- حاشية الشهاب للخفاجي:ت:الشيخ عبدالرزاق المهدي،دار الكتب العلمية- بيروت،ط:١٤١٧ه.
- الحاوي للفتاوي للسيوطي:دار الكتب العلمية-بيروت.
- حجة الله البالغة للشاه ولي الله الدهلوي:ت:السيد سابق،دارالجبل-بيروت، ط:١٤٢٦ ه.
- حقيقة السنة والبدعة أو الأمر بالاتباع والنهي عن الابتداع للسيوطي:ت:خليل إبرهيم،دار الفكر اللبناني،ط١٤٩٢ ه.
- حلية الأولياء وطبقات الأصفياء لأبي نعيم الأصفهاني: دارالكتب العلمية- بيروت،ط:١٤٠٩ه.
- الدررالمنتثرة في الأحاديث المشتهرةللسيوطي:ت:محمد بن لطفي الصباغ،جامعة الملك سعود -الرياض .
- الدعامة في أحكام العمامة للكتاني:مكتبة العلم الاسلامى- سوريا،ط:١٣٤٢ ه.
- دلائل النبوةللبيهقي:ت:عبد المعطى قلعجى،دارالكتب العلمية- بيروت،ط: ١٤٠٨ه.
- ذيل تاريخ بغداد: ١٧٣/٣، رقم:٦٥١،ت:مصطفى عبدالقادرعطا،دارالكتب العلمية -بيروت،ط:١٤١٧ه.
- ذيل طبقات الحنابلة لابن رجب الحنبلي:ت:عبد الرحمن العثيمين،مكتبة العبيكان -الرياض،ط: ١٤٢٥ ه. .
- ذيل اللآلئ للسيوطي:ت:زياد النقشبندي الأثري،دار ابن حزم-بيروت،ط الأولى ١٤٣٢ ه.
- ردع الإخوان عن محدثات آخر جمعة رمضان للعلامة اللكنوي:ت:مجد بن أحمد مكي،دارالبشائر الإسلامية - بيروت،ط:١٤٢٠ه.
- رد المحتار لابن عابدين الشامي: دار عالم الكتب- الرياض.

- الروح لابن قيم الجوزية: دار الكتب العلمية-بيروت.
- روح البيان لإسماعيل حقي: إحياء التراث العربي- بيروت.
- روح المعاني للآلوسي: دار إحياء التراث العربي-بيروت.
- زاد المعاد لابن قيم الجوزية:ت:شعيب الأرنؤوط وعبد القادر الأرنؤوط،مؤسسة الرسالة-بيروت،ط: ١٤١٥ھ.
- الزواجرعن اقتراف الكبائرللهيتمي:ت: محمد محمودعبدالعزيز وغيره،دارالحديث-قاهرة،ط:١٤٢٥ ھ.
- سلسلة الأحاديث الضعيفة للألباني: دار المعارف-الرياض،ط:١٤١٢ھ.
- سبل الهدى والرشاد في سيرة خير العباد للصالحي الشامي:ت:مصطفى عبد الأحد، إحياء التراث الإسلامي- القاهرة،ط: ١٤١٨ ھ.
- سنن أبي داود:ت: عزت عبيد الدعاس و عادل السيد،دار ابن حزم- بيروت، ط: ١٤١٨ ھ.
- شرح الزرقاني على موطأ الإمام مالك: المطبعة الخيرية- مصر،ط:١٣١٠ھ.
- شرح صحيح البخاري لابن بطال:ت:أبو تميم ياسر،مكتبة الرشد- الرياض.
- شرح المواهب للقسطلاني،ت:محمدعبدالعزيزالخالدى،دار الكتب العلمية-بيروت،ط: ١٤١٧ھ.
- شعب الإيمان للبيهقي،ت:عبد العلى عبدالحميد حامد،مكتبة الرشد-سوريا، ط: ١٤٢٣ھ.
- الشفا بتعريف حقوق المصطفى لقاضي عياض المالكي:دارالكتب العلمية-بيروت،ط:١٤٩٩ھ.
- شفاء الغليل فيما في كلام العرب من الدخيل للخفاجي: المطبعة الوهبية- القاهرة، ط: ١٢٨٢ھ.
- الشماريخ في علم التاريخ للسوطي: مكتبة الآداب- قاهرة.
- صحيح ابن حبان:ت: شعيب الأرنؤوط، مؤسسة الرسالة- بيروت،ط:١٤١٤ ھ .

- الضعفاءوالمتروكين لابن الجوزي:ت:عبدالله قاضي،دار الكتب العلمية– بيروت، ط: ١٤٠٦ هـ.
- العرف الشذي شرح سنن الترمذي للكشميري،ت:محمود شاكر،دار التراث العربي – بيروت،ط:١٤٢٥هـ .
- العلل المتناهية في الأحاديث الواهيةلابن الجوزي:ت:خليل الميس،دارالكتب العلمية – بيروت،ط:١٤٠٣ هـ..
- عمدة القاري للعيني: ت:عبد الله محمود،دار الكتب العلمية – بيروت.
- الفتاوى الكبرى الفقهية للهيتمي:ملتزم الطبع والنشر–عبد الحميد أحمد حنفي، بمصر.
- الفتاوى الحديثية للهيتمي:دار المعرفة – بيروت.
- فتح البارى لابن حجرالعسقلانى: دار المعرفة – بيروت.
- فتح المتعال فى مدح النعال للمقري(مترجم):عالمى دعوت إسلامية–لاهور، ط:١٤١٧ هـ.
- الفردوس بمأثور الخطاب للديلمي:ت:السعيد بن بسيوني زغلول،دار الكتب العلمية – بيروت،ط:١٤٠٦ هـ .
- الفوائد المجموعة في الأحاديث الموضوعة للشوكاني:ت:رضوان جامع رضوان، مكتبة نزار،مصطفى الباز– الرياض،ط:١٤١٥ هـ.
- فيض القديرللمناوي: دارالمعرفة – بيروت،ط:١٣٩١هـ.
- قوت القلوب لأبي طالب المكي:ت:باسل عيون السود،دارالكتب العلمية– بيروت ، ط:١٤٢٧هـ.
- الكاشف للذهبي:ت:محمد عوامة،دار القبلة للثقافة الإسلامية – جدة،ط: ١٤١٣ هـ.
- الكامل في الضعفاءلابن عدي:دار الفكر – بيروت،الطبعة الثانية:١٤٠٥ هـ.
- كتاب الضعفاء الكبير للعقيلي:ت:عبد المعطي أمين قلعجي،دار الكتب العلمية – بيروت.

- كتاب الفنون لابن عقيل البغدادي:ت:جورج المقدسي،دار المشرق-بيروت، ط: ۱۹۷ء.
- كتاب الموضوعات لابن الجوزي:ت:عبدالرحمن محمد عثمان، محمد عبدالمحسن - مدينة المنورة،ط:۱۳۸٦ هـ.
- كتاب العلل لابن أبي حاتم: ت:سعد بن عبد الله وخالد بن عبد الرحمن الجُريسي، مكتبة الملك الفهد - الرياض،ط:۱٤۲۷ هـ.
- الكشف الحثيث لبرهان الدين الحلبي:ت:صبحي السامرائي،مكتبة النهضة العربية - بيروت،ط:۱٤۰۷ هـ.
- كشف الخفاء ومزيل الإلباس عمااشتهرمن الأحاديث على ألسنة الناس للعجلوني: ت:يوسف بن محمود،مكتبة العلم الحديث - دمشق،ط:۱٤۲۱هـ.
- اللآلئ المصنوعة في الأحاديث الموضوعة للسيوطي:دار الكتب العلمة - بيروت.
- اللآلئ المصنوعة في الأحاديث الموضوعة للسيوطي:ت:صلاح بن محمد بن عويصة، دار الكتب العلمية - بيروت،ط:۱٤۱۷هـ.
- اللآلئ المنثورة في الأحاديث المشهورةللزركشي:ت:محمد بن لطفي الصباغ، المكتب الإسلامي - بيروت،ط:۱٤۰٦ هـ.
- اللؤلؤ المرصوع فيما لا أصل له أو بأصله موضوع للقاؤقجي:ت:فواز أحمد زمرلي، دار البشائر الإسلامية - بيروت،ط:۱٤۱٥ هـ.
- لسان الميزان لابن حجر العسقلاني: ت:عبد الفتاح أبو غدة، مكتب المطبوعات الإسلامية - بيروت،ط:۱٤۲۳هـ.
- المجروحين لابن حبان: ت: محمود إبراهيم زايد،دار المعرفة - بيروت،ط:۱٤۱۲هـ.
- مجموع الفتاوى لابن تيمية: ت: عامر الجزار،دارالوفاء - بيروت،ط:۱٤۲٦ هـ.
- المحاسن لأحمد بن محمد البرقي:ت:السيد مهدي الرجائي،المجمع العالمي لأهل البيت دون ذكر مقام الطبع،ط:۱٤۳۲هـ.
- المحلی لابن حزم:ت:محمد منیرالدمشقی،إدارة الطباعة المنيرية - مصر،ط:۱۳٥۲ هـ.

- مدارج السالكين بين منازل إياك نعبد وإياك نستعين لابن القيم:دارإحياء التراث العربي - بيروت،ط:١٤١٩ھ.
- المدخل لابن الحاج: مكتبة دارالتراث - القاهرة.
- مرشد الحائر لبيان وضع حديث جابرللغماري:مكتبة طبرية -الرياض،ط: ١٤٠٨ھ.
- مرقاة المفاتيح لعلي القاري:ت:جمال عيتانى،دار الفكر- بيروت،ط:١٤٢٢ ھ.
- مستدرك سفينة البحار لعلي النمازي:ت:حسن بن علي النمازي،مؤسسة النشر الإسلامي.
- مستدرك الوسائل لميرزا النوري الطبرسي:مؤسسة آل البيت لإحياء التراث،ط: ١٤١١ھ.
- مسند الدارمى المعروف سنن الدارمي:ت:حسين سليم أسد الداراني،دار المغني - السعودية العربية،ط:١٤١٢ ھ.
- المصنف لعبدالرزاق:ت:حبيب الرحمن الأعظمي،المكتب الإسلامي -بيروت،ط: ١٤٠٣ ھ.
- المصنوع في معرفة الحديث الموضوع لعلي القاري:ت:عبد الفتاح أبو غدة،مكتب المطبوعات الإسلامية - حلب،ط:١٤١٤ ھ.
- المعجم لابن المقرئ:ت:أبي عبد الحمن عادل بن سعد، مكتبة الرشد- الرياض،ط: ١٤١٩ھ.
- المعجم لأبى بكر الإسماعيلى:ت:زياد محمد منصور،مكتبة العلوم والحكم - المدينة المنورة،ط:١٤١٠ھ.
- المغني عن حمل الأسفارللعراقي:ت: أبو محمد أشرف بن عبد المقصود، مكتبة دار طبرية - الرياض،ط:١٤١٥ھ.
- المقاصد الحسنة في بيان كثير من الأحاديث المشتهرة على الألسنة للسخاوي: ت:عبد الله محمد الصديق،دار الكتب العلمية - بيروت،ط:١٤٢٧ ھ.
- المنار المنيف في الصحيح والضعيف لابن قيم الجوزية:ت:عبد الفتاح أبو غدة، مكتب المطبوعات الإسلامية - بيروت،ط:١٤٢٥ ھ.

- من لا يحضره الفقيه لمحمد بن علي القمي:مؤسسة الأعلمي للمطبوعات- بيروت، ط:١٤٠٦هـ.
- منتهى السول على وسائل الوصول لعبدالله بن سعيد اللحجي المكي:دارالمنهاج - بيروت،ط:١٤٢٦هـ.
- منهاج السنة النبوية في نقض كلام الشيعة القدية لابن تيمية:ت:محمد رشاد سالم،ط:١٤٠٦ هـ.
- موطأ إمام محمد مع التعليق الممجد للإمام محمد،والتعليق:لللكنوي:مكتبة البشرى - كراتشي،ط:١٤٣١ هـ.
- موضوعات الصغاني:ت:نجم عبدالرحمن خلف،دارالمامون للتراث - بيروت، ط:١٤٢٩ هـ.
- ميزان الاعتدال في نقد الرجال للذهبي:ت:على محمد البجاوى،دارالمعرفة- بيروت، ط:١٤٠٦ هـ.
- النخبةالبهية في الأحاديث المكذوبةعلى خيرالبرية لمحمدالأميرالكبيرالمالكي: ت:زهير الشاويش،المكتب الإسلامي-بيروت،ط:١٤٠٩ هـ.
- نسيم الرياض للخفاجي:ت:عبدالقادر عطا،دارالكتب العلمية-بيروت،ط:١٤٢١هـ.
- نزهة المجالس للصفوري:ت:محمد الخشاب،المطبعة الكاستلية-الهند،ط:١٢٨٣ هـ.
- نزهة المجالس للصفوري:المكتب الثقافي- القاهرة،ط:١٤٢٥هـ.
- النهاية في غريب الحديث والأثرلابن الأثير:ت:طاهر أحمد الزاوي،دار إحياء التراث العربي- بيروت،ط:١٣٠٠ هـ.
- وسائل الشيعة لمحمد بن حسن الحر العاملي:موسسة آل البيت لإحياءالتراث- قم.